از افادات

حضرت سید العلماء، مولانا السید علی نقی النقوی دام ظلہ

مطبوعہ سرفراز قومی پریس لکھنؤ

تعارف

امامیہ مشن نے اپنے ابتدائے قیام سے اب تک تقریباً جتنے اہم مسائل ہیں اُن پر معلومات و تحقیقات کا وہ بیش بہا ذخیرہ اردو زبان میں فراہم کر دیا ہے جیسا اسکے پہلے موجود نہ تھا۔ لیکن چند مسائل ایسے ہیں جن پر ابھی تک کوئی رسالہ شائع نہیں ہوا ان میں سے "پردہ" کا مسئلہ بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ شکر ہے کہ یہ کمی اب پوری ہو رہی ہے، سرکار سیّد العلماء مدظلہ کے افادات کے اس مجموعہ سے جو سب سے پہلے دہ روزہ بیانات کی شکل میں مدرسۃ الواعظین میں ہوئے تھے اور اب سرکار ممدوح نے انکو کتابی شکل میں مرتب فرما دیا ہے۔ یہ اس موضوع پر ایسا گرانقدر ذخیرہ ہے جس کی اشاعت پر مشن جتنا بھی فخر کرے کم ہے۔ والسلام

"ادارہ"

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ علی
سید المرسلین وآلہ الطاہرین

پردہ اور اُس کی اہمیت

پردہ کے سوال نے اُس وقت سے بہت اہمیت حاصل کرلی جب سے مغربی تمدن کے اثرات مشرقی ممالک پر پڑنے لگے اور جتنے یہ اثرات بڑھتے گئے اتنا ہی اس سوال کی اہمیت میں اضافہ ہوتا گیا اور میرا خیال یہ ہے کہ ان تمام مسائل میں جو تمدن قدیم اور تمدن جدید کے درمیان معرض بحث میں آئے اس سوال کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ اس لیے کہ دوسرے سوالات محدود طبقہ اور محدود حالات سے متعلق تھے لیکن یہ ایک ایسی چیز ہے جس کا اثر نصف بلکہ نصف سے زیادہ نوع انسانی کے حالات اور طرز زندگی پر پڑتا ہے۔

پھر جب سے ممالک اسلامیہ میں پردہ کے خلاف انقلاب برپا ہوا

جس میں مصر کا نمبر پہلا اور ٹرکی کا دوسرا اور ایران کا تیسرا تھا۔ اس سے دوسرے ممالک مثلاً عراق و شام اور حجاز بھی متاثر ہوئے اور اُس کے اثرات دوسرے ممالک اور بالخصوص ہندوستان کے مسلمانوں پر پڑنا لازمی تھے۔ اس صورت میں جو لوگ کہ مذہب سے علانیہ بے نیاز ہو چکے اُن کے لیے تو آسان تھا۔ وہ تو کہتے ہی ہیں کہ مذہب مجموعۂ خرافات و اوہام ہے۔ انہی توہمات سے ایک پردہ کے حکم کو بھی سمجھا جا سکتا ہے۔

مگر جو لوگ کہ بظاہر مذہب سے وابستگی ضروری سمجھتے ہیں وہ اپنے تجدد پسندانہ خیالات یا رویہ کو حق بجانب قرار دینے کے لیے آیات و احادیث کے غلط تاویلات کر کے یہ سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں کہ پردہ کوئی اسلامی حکم نہیں ہے۔

جب سے پاکستان بنا ہے اُس وقت سے اس وبا میں اور ترقی ہو گئی۔ چونکہ پاکستان کی بنیاد اسلام کے نام پر ہوئی ہے اس لئے وہاں کے بڑے بڑے صاحبانِ منصب میں سے کوئی بھی اسلام کے خلاف کھلم کھلا تو آواز بلند نہیں کر سکتا۔ پھر بھی بہت سے ارکانِ اعلیٰ میں خود اور نہیں تو اُن کے متعلقین میں مغرب پرستی اور تجدد پسندی رگ رگ میں بھری ہوئی ہے۔ اس تجدد پسندی کو مذہب کی حمایت کے ساتھ سازگار بنانے کے لیے اس کے سوا اور کیا چارہ کار رہ گیا ہے کہ خود اسلام پر اتہام کا راستہ اختیار کیا جائے اور یہی ثابت کرنے کی کوشش کی جائے کہ اسلام میں پردہ کا وجود نہیں ہے۔

میرا نظریہ ہی کہ پہلی قسم کے لوگ مذہب سے علانیہ منحرف ہو چکے ہیں اُن سے جزئیات اور فروع پر کوئی گفتگو بیکار ہے اُن سے تو اگر کوئی بحث بھی کی جائے تو وہ اصل اصول یعنی مذہب کی حقانیت ہی پر ہو سکتی ہی۔ مگر دوسری قسم کے لوگ اسکے مستحق ہیں کہ اُن کے بالمقابل پردہ کی حقانیت کو واضح کیا جائے نیز اُن عقلی پہلوؤں پر بھی غور کیا جائے جو اس کے نفع نقصان سے متعلق ہیں۔

میرے خیال میں بہت سے وہ مسائل جن پر ہمارے علم اور زبان کی طاقتیں صرف ہوا کرتی ہیں اس وقت مردہ ہو چکے ہیں مگر پردہ کا مسئلہ ایک زندہ مسئلہ ہی۔ بہت سے مسائل عملی سے زیادہ خیالی ہوتے ہیں مگر یہ ایک اہم عملی سوال ہی جس پر غور کرنا نہایت ضروری ہی۔

پردہ کی اخلاقی بنیاد جو ہے یعنی عورت کا مرد کے مقابلہ میں ایک خودداری کا احساس۔ جس کے نتیجے میں تہذیب کا یہ فیصلہ قائم ہوتا ہے کہ ایک مرد کو خیانت کے ساتھ عورت کی طرف قدم نہیں بڑھانا چاہیئے اور عورت مرد کی طرف قدم نہ بڑھائے۔ یہ وہ منزل ہی جسمیں ابھی تک ہمارے یہاں کوئی اختلاف نہیں ہی سوائے اشتراکیت کے ایک نظریہ کے جو عورت کو بھی مثل دیگر اموال کے ملک مشترک قرار دیتا ہے اور کوئی بھی اس اخلاقی اصول کا منکر نہیں ہے۔ اور شکر ہے کہ ہمارے ہندوستان میں (قدیم اصطلاح کے مطابق جو پاکستان کو بھی شامل ہی) اس طرح کی اشتراکیت کی حمایت کرنے والا کوئی بھی نہیں ہے اور اس طرح پردہ کی جو اصل اساس ہے

وہ اب تک بحمد اللہ ہمارے ان گھروں میں قائم ہے اور اصل بات تو یہ ہے کہ
ہندوستان کی عورتوں کی غیرت و حمیت جو یہاں کے ہندو اور مسلم دونوں
میں کم و بیش پائی جاتی رہی ہے۔ وہی ڈیڑھ سو برس تک تسلط قائم رہنے کے
باوجود ہندوستان میں مغربی اثرات کے اس حد تک پھیلنے سے مانع
رہی جو دوسرے ممالک میں صرف اس پاس کے حالات کو دیکھکر پیدا
ہوگئے ۔

یہاں جن جن گھرانوں میں پردہ اٹھا، ان میں سے بعض کے
حالات جو گوشزد ہوئے انھوں نے دوسروں کو لرزہ براندام کر دیا اور
بہت سے جو پرواز ترقی کے لئے پر تول رہے تھے، پر سمیٹ کر بیٹھ گئے
ایسے بھی بعض تھے جو قلم اور زبان سے پردہ کے خلاف جہاد کرتے رہے
مگر خود اپنے گھر سے پردہ کو نہ اٹھا سکے اُس غیرت کی وجہ سے جو یہاں کے
لوگوں کو ورثہ میں ملی ہے اور یہی وہ امید کی کرن ہے جو تاریک مستقبل
میں یہ خیال پیدا کرتی ہے کہ شاید ہندوستان اُس تمدنی تباہی سے
دوچار نہ ہو جس سے بہت سے یورپ کے ممالک اس وقت دوچار
ہو چکے ہیں خصوصاً اس لئے کہ جس یورپ کی تقلید میں یہ سب کچھ ہو رہا
تھا اُسے خود اپنی تمدن کی خرابیوں کا احساس بہت حد تک پیدا
ہوگیا ہے اور پھر ہندوستان میں اب عرصہ سے مغرب کی تقلید کا جذبہ
کم ہوتا جارہا ہے اور مشرقی خصوصیات کو زندہ رکھنے کا خیال ترقی کر رہا
ہے خصوصاً اب جبکہ برطانیہ کا تسلط بھی اٹھ گیا ہے اور ہندوستان

بہت حد تک آزاد ہو گیا ہے۔ اس کے بعد ممکن ہے کہ ہندوستان یعنی انڈین یونین وہیں تک رہ جائے جہاں تک ہو اور اب قدم اس میدان میں آگے نہ بڑھے۔ مگر پاکستان میں یہ خطرہ زیادہ ہے کہ وہ براہ راست یورپ کی تقلید کو برا سمجھتے ہوئے بلاواسطہ نہ سہی لیکن تقلید مصر و ترک کی بنا پر بالواسطہ اس دام میں گرفتار ہو جائے اور اس میں سیاسی آزادی کی ہوا معاشرتی آزادی کے جذبہ کو تقویت دیکر پردہ کے خلاف اور زیادہ شورش انگیزی کا باعث ہو جسکے آثار ابھی کچھ نظر آتے ہیں۔ اس کے دفعیہ کے لئے فرض شناس حقیقت پرور افراد کا فرض ہے کہ قلم اور زبان کی پوری طاقت صرف کر دیں نتیجہ چاہے کچھ نہ ہو مگر اپنی ذمہ داری تو پوری ہو ہی جائیگی۔

غور کیا جائے تو پردہ دور وحشت کی یادگار تو سمجھا نہیں جا سکتا۔ بہر حال ہے وہ دور تمدن ہی کی پیداوار اور افراد انسانی نے ضرورت کا احساس کر کے اسے اختیار کیا ہے۔

ہمارے اسلاف نے مدتوں قبل پردہ نہ ہونے کے حالات کا تجربہ کر کے پردہ کے قانون کو اختیار کیا اور مذہب کو آج کل کے تجدد پسند اشخاص الٰہی چیز نہ بھی مانیں تب بھی اسے انھیں بالغ نظر دانشمندوں کے ارتقاء دماغی کا نچوڑ تو ماننا ہی پڑے گا۔ بہر حال نوع انسانی کے ایک بڑے طبقہ نے پردہ کی ضرورت

محسوس کر کے پردہ کی بنیاد رکھی اور اُسے مستحکم کیا۔ اب اس وقت اُن کی مدتوں کی محنت پر پانی پھیر کر اس عمارت کو ڈھا دینا تو آسان ہے مگر جب پھر تجربہ کے بعد اُن اسباب کا اندازہ ہوگا جو پردہ کی پابندی کے داعی ہوئے تھے تو سوائے حسرت و افسوس کے کچھ چارۂ کار نہ ہوگا۔

ممکن ہے اُس وقت پھر ہم کوشش کریں اس رسم کے جاری کرنے کی مگر یاد رکھنا چاہئے کہ کسی عمارت کا گرانا آسان ہوتا ہے اور بنانے کے لئے بڑی مدت درکار ہوتی ہے۔ پھر یہ اینٹ، چونے یا پتھر کا مکان نہیں جو سال دو برس میں بن کر تیار ہو جائے۔ بلکہ یہ قوم کے مزاج اخلاقی کی عمارت ہے جو صدیوں میں تعمیر ہوتی ہے۔ اسے ہمیں معمولی بات نہیں سمجھنا چاہئے اور صرف جدّت پسندی، فیشن یا دوسروں کی دیکھا دیکھی تمدن کے اس خزانۂ عامرہ کے برباد کرنے پر آمادہ نہ ہونا چاہئے جسے ہمارے اسلاف نے بڑی عرق ریزی اور جانفشانی کے ساتھ حاصل کیا تھا۔

حجاب قبل اسلام

جب ہم کہتے ہیں "اسلام کے قبل" تو اس کے دو مطلب ہوتے ہیں۔ ایک یہ کہ وہ قومیں جو اُس وقت تمدن کی دعویدار تھیں اُن میں پردہ کا رواج تھا یا نہیں۔ دوسرے وہ مذاہب جو اس وقت مقبولیت رکھتے تھے اُن میں پردہ کی تعلیم پائی جاتی تھی یا نہیں۔

پہلی حیثیت سے جب ہم دیکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اُس وقت اپنی سلطنتی طاقت کی بناء پر جو تمدن بڑی عظمت کی نظر سے دیکھے جاتے تھے وہ دو تھے۔ ایک مملکت فارس کا تمدن۔ دوسرے مملکت روم کا۔ یہی دونوں وہ تھے جو عربوں پر اثر انداز بھی ہو رہے تھے کیونکہ علاوہ آزاد قبائل کے عرب کا ایک حصہ فارس کے زیر اثر تھا جس میں عراق داخل تھا اور یہاں ملوک حیرہ تھے ایک اور حصہ روم کے زیر اثر تھا جس میں شام داخل تھا اور یہاں ملوک غسان تھے۔ اس کے علاوہ علم و حکمت کے لحاظ سے یونان کا شہرہ ہو چکا تھا اس لیے وہاں کا تمدن قابل لحاظ تھا۔

جب ہم تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ مداین اور فارس میں پردہ موجود تھا اور روم میں اپنی انتہائی شوکت و قوت کے دور میں پردہ کی بڑی سخت پابندی تھی۔

مؤرخین لکھتے ہیں کہ سلطنت روم میں کمزوری اُسی وقت سے پیدا ہوئی کہ جب سے بو الہوس مردوں نے بھولی بھالی عورتوں کو فریب دے کر بے دہ نکلنی پر آمادہ کر دیا اور رفتہ رفتہ ہوس پرستی بڑھتی ہوتی گئی اور شہوت رانی جنون کے درجہ تک پہونچ گئی یہاں تک کہ عورتیں مہمات ملکی میں دخیل ہوگئیں اور ان ہی کے ہاتھوں سلطنت روم کی اینٹ سے اینٹ بج گئی -

اُس زمانہ میں ایک مشہور حکیم اور واعظ "کاٹن" اپنی پرزور تقریروں میں اس تمدنی خرابی پر توجہ دلایا کرتا تھا - وہ کہتا تھا کہ قوم دو سخت بیماریوں میں مبتلا ہے - ایک مالدار طبقہ کی حد سے زیادہ کنجوسی اور دوسرے عورتوں کا حد سے زیادہ بڑھا ہوا اقتدار - مگر جذبات کے طوفان میں ان تقریروں کا زیادہ اثر نہیں لیا جاتا تھا - آخر جو آخری انجام ہونے والا تھا وہ سامنے آگیا -

یونان کی قدیم عورتیں اپنے چہرہ کو ایک ایسی نقاب سے چھپاتی تھیں جو چہرا کریں دامن جس سے آتی تھی - اور پردہ کے معاملہ میں بہت انہماک رکھتی تھیں - یہاں تک کہ گھروں کی مامائیں بھی نکلتی تھیں تو چہرہ پر نقاب ڈال لیتی تھیں - اس کے علاوہ اُنہیں ایک اس طرح کا پردہ بھی رائج تھا - جس سے قد و قامت کی شکل و مقدار معلوم نہیں ہوتی تھی -

اسپارٹا میں عورتیں جب گھروں سے باہر نکلتی تھیں تو پردہ ضروری سمجھتی تھیں اور چہرہ کو چھپانے کی پابند تھیں۔

یوروپ تہذیب و تمدن میں اُس وقت کسی شمار میں نہ تھا مگر روس میں جو آج آزادی کا مرکز ہے سنہ ۱۹۲۶ء تک پردہ موجود تھا۔

اب دوسری حیثیت سے دیکھا جائے یعنی مختلف مذاہب کے تعلیمات پردہ کے بارے میں تو معلوم ہونا چاہیئے کہ جس وقت اسلام کی تعلیم کا آغاز ہوا ہے اُس وقت دنیا میں زیادہ تر دو مذہب پھیلے ہوئے تھے ایک یہودیت دوسرے عیسائیت۔

یہود کی مقدس کتاب توریت اور اُس کے ملحقات ہیں جو "عہد نامہ قدیم" کے نام سے مشہور ہیں۔ اور عیسائیوں کی مقدس کتابوں میں اُس کے ساتھ ساتھ انجیل اور اُس کے ملحقات داخل ہیں۔

بائیبل کے عہد جدید میں حضرت یسوع مسیح کا یہ قول موجود ہے کہ "تم سے کہا گیا تھا کہ عورتوں کو نہ دیکھو میں یہ کہتا ہوں کہ اُن کے برقعوں پر بھی نظر نہ ڈالو۔"

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ شریعت موسوی میں عورت پر نگاہ کرنے کی ممانعت موجود تھی۔ نیز پردہ کے لیے برقع کا رواج موجود تھا اور یہ بھی کہ حضرت مسیح نے اس حکم میں مزید

شدت پیدا کر دی۔

توریت کے سفر پیدائش باب ۲۴ میں یہ بھی درج ہے کہ "اسحٰق نکلے ادھر اُدھر دیکھتے ہوئے شام کے وقت۔ اُدھر سے ایک قافلہ آتا ہوا نظر پڑا جس میں ربقہ تھیں۔ اُنھوں نے اُن کو دیکھکر برقع لیا اور اُس سے پردہ کر لیا"

سفر امثال کے باب ۷ میں قابل نفرت عورت کے اوصاف میں لکھا ہے کہ "وہ اُس کے پیر ٹکتے نہیں۔ کبھی باہر ہے اور کبھی سڑکوں پر"

پولس رسول کے خط میں جو قرنتیوں کے نام ہے گیارھویں باب میں لکھا ہے "جو عورت سر برہنہ دعا کرے وہ اپنے سر کو رسوا کرتی ہے" پھر لکھا ہے "مرد عورت سے نہیں ہے بلکہ عورت مرد سے ہے۔ اور مرد عورت کے لیے نہیں پیدا ہوا ہے بلکہ عورت مرد کیلیے پیدا ہوئی ہے۔ اور عورت کو چاہیے کہ اپنے سر پر عزت کا پردہ رکھے"

پھر لکھا ہے "خود اپنے دل میں انصاف کرو کہ کیا عورت کے لئے یہ زیبا ہے کہ وہ بے پردہ خدا سے دعا کرے۔ کیا تم خود اپنی طبیعت کو نہیں آزماتے ہو کہ اگر مرد سر پر لمبے بال رکھے تو عیب ہے اور اگر عورت سر پر بال رکھے تو فخر ہے اس لیے کہ اُسے بال پردے کے لیے دیے گئے ہیں"

تیطس کے نام خط میں فصل دوم میں لکھا ہے:-

"جوان عورتوں کو نصیحت کرنا چاہئے کہ وہ اپنے مردوں کو دوست رکھیں، پابند ہوں، پارسا ہوں اور اپنے گھروں میں بیٹھی رہیں۔"

اس میں کوئی شک نہیں کہ مثل دیگر احکام کے یہ تعلیمات اسلامی احکام کے لحاظ سے وہ نسبت رکھتے ہیں جو ایک گھٹنیوں چلنے والے بچہ کو کامل انسان کے ساتھ ہوتی ہے۔ پھر بھی ان سے شریعت کے رجحان کا تو اندازہ ہوتا ہی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ اُس کے قانون میں عورت اور مرد کی حیثیت یکساں نہیں ہے بلکہ عورت کے لیے خصوصی طور پر پردہ کی تاکید ہے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ خود ملک عرب میں اسلام کے قبل پردہ تھا یا نہیں۔

معلوم ہونا چاہیئے کہ زمانہ جاہلیت میں ملک عرب کی تاریخ اور اُس کے تمدن و معاشرت کے جاننے کا بہت بڑا ذریعہ اُسکے اشعار ہیں اسی لیے کہا گیا ہے کہ الشعر دیوان العرب یعنی اشعار قوم عرب کا دفتری خزانہ ہیں۔ چونکہ اُن میں تصنع کا پتہ نہیں تھا۔ وہ زیادہ تر فطری اور واقعاتی شاعری کرتے تھے اس لیے ان کی شاعری اُن کی زندگی کے متعلق معلومات کا آئینہ ہے۔

اشعار عرب کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ زمانہ جاہلیت

میں عربوں کے یہاں پردہ موجود تھا۔ اور اصحاب عزت اور امتیاز گھرانوں میں چہرہ کا چھپانا ضروری سمجھا جاتا تھا۔

وہ لباس جس سے چہرہ مخفی کیا جاتا تھا چند قسم کے تھے۔

(پہلے) قناع یعنی مقنع۔ چنانچہ عنترہ بن شداد عبسی اپنے مشہور قصیدہ میں جو سبع معلقات میں درج ہے لکھتا ہے:۔

ان تغدفی دونی القناع فاننی　　طب باخذ الفارس المستلئم

"یعنی تم اگر میرے سامنے مقنع ڈال لیتی ہو تو کوئی پرواہ نہیں کیونکہ میں تو بڑے بڑے زرہ پوش شہسواروں تک کو قبضہ میں لے آنے کے فن سے واقف ہوں"

اس سے ظاہر ہے کہ اس زمانہ میں مقنع عورتوں کے لباس میں داخل تھا۔ یہ امر کہ مقنع سے چہرہ کا پردہ ہوتا تھا ذیل کے شعر سے ظاہر ہے۔

فلما توافقنا وسلمت اقبلت　　وجوہ زھاھا الحسن ان تتقنعا

یہاں کچھ آزادمنش حسینوں کا تذکرہ ہو رہا ہے۔

"جب ہم جا کر کھڑے ہوئے اور میں نے سلام کیا تو متوجہ ہوئے ہماری طرف وہ چہرے جنھوں نے اظہار حسن کی غرض سے مقنع پوشی اختیار نہ کی تھی"۔

(دوسرے) "نصیف" یہ لفظ بھی مقنع ہی کے لیے استعمال ہوتی تھی اس بنا پر کہ مقنع سر پر ڈالا جائے تو نصف حصہ سر پر رہتا ہے

اور نصف حصہ سے چہرہ چھپایا جاتا ہے اس لیے اس حصہ کو "نصیف" کہتے ہیں۔ اس کا ذکر نابغۂ ذبیانی کے شعر میں ہے اُس موقع پر جب وہ نعمان بن منذر بادشاہ حیرہ کے پاس آیا ہے۔ اتفاق سے اُس وقت متجرّدہ زوجہ نعمان بھی موجود ہے اور بے اختیار اُس کے سر کا مقنع گر گیا۔ اُس نے فوراً اپنی کلائی سے اپنے چہرہ کا پردہ کرلیا شاعر اس منظر سے متاثر ہوتا ہے اور اس شعر میں نظم کرتا ہے:۔

سقط النّصیف ولم ترد اسقاطہٗ فتناولتہ واتّقتنا بالید

(یعنی) مقنع اُس کے چہرہ سے گر گیا در انحالیکہ اُس نے گرانا چاہا نہیں تھا تو اُس نے (ایک ہاتھ سے) اُس مقنع کو پکڑا اور (دوسرے) ہاتھ کے ساتھ ہم سے پردہ کیا۔"

مقنع اور اُس سے چہرہ کے چھپائے جانے کے علاوہ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ پردہ کا احساس اُن خواتین کو اتنا تھا کہ اگر اتفاق سے بے اختیاری کے عالم میں چہرہ سے مقنع گر جاتا تھا تو وہ ہاتھ سے پردہ کر لیتی تھیں۔

(تیسرے) برقع جیسا کہ ابو النجم عجلی نے کہا ہے اپنی آزاد منش محبوبہ کا تذکرہ کرتے ہوئے:۔

من کل عجزاء سقوط البرقع بلھاء لم تحفظ ولم تضیع

فربہ اندام۔ برقع کو بے پرواہی سے اوڑھنے والی بھولی بھالی جس کی اخلاقی نگرانی پورے طور پر نہیں کی

گئی مگر نازونعمت کے خیال کو جس کے نظر انداز نہیں کیا گیا۔"

جناب سید مرتضیٰ علم الہدیٰ اپنی کتاب امالی میں "سقوط البرقع" کی شرح میں لکھتے ہیں :-

ارادانھا تبرز وجھھا ولا تسترہ

"برقع کو گرانے والی" کے معنی یہ ہیں کہ وہ اپنے چہرہ کو کھلا رکھتی ہے اور اُسے چھپاتی نہیں - اس سے ثابت ہوتا ہے کہ برقع سے عموماً چہرہ چھپایا جاتا تھا - نیز یہ کہ جو عورتیں اخلاق آزادمنشی کی وجہ سے پردہ سے بے نیاز بھی تھیں وہ بھی عام رواج کی بنا پر برقع اوڑھنا ضروری سمجھتی تھیں جیسے ہمارے زمانہ کی بہت سی وہ عورتیں جو برقع اوڑھنے کے ساتھ چہرہ کو نمایاں کرتی رہتی ہیں - مگر برقع اوڑھ کر رواجاً اپنے کو پردہ دار ثابت کرتی ہیں - ایک شاعر نے کہا ہے -

لھونا بمنخول البراقع حقبۃ ثما بال دھر لزنا بالوصاوص

"مدت تک ہمیں دلچسپی کا موقع ملا ایسے حسینوں کے ساتھ جو اپنے برقعوں کی آنکھیں کشادہ بناتی تھیں تاکہ مشتاقان دید چہرہ کا جلوہ کچھ نہ کچھ دیکھ سکیں۔" (اس کا نمونہ بھی آج کل بعض نام نہاد پردہ داروں میں نظر آتا ہے)۔ لیکن زمانہ کے ہاتھوں اب کچھ ایسی خواتین سے سابقہ پڑا ہے جو اپنے برقع کی آنکھوں کے سوراخ بہت چھوٹے رکھتی ہیں - اس لیے شاعر کی حسرت دیدار پوری نہیں ہوتی -

ان تمام اشعار سے عموماً چہرہ کے پردہ کا رواج ظاہر ہے۔
ان کے علاوہ ذیل کے اشعار سے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے۔

(۱) شاعر حماسی اپنے مخالف قبیلہ پر شماتت کے طور پر میدان جنگ میں اضطراب کی وجہ سے اُن کی عورتوں کی بے پردگی کا نقشہ کھینچتے ہوئے کہتا ہے:۔

ونسوتکم فی الروع باد وجوهها　　یخلن اماءً والاماء حرائر

"تمھاری عورتیں میدان جنگ میں اس عالم میں تھیں کہ اُنکے چہرے کھلے ہوئے تھے۔ وہ کنیزیں معلوم ہوتی تھیں حالانکہ حقیقت میں یہ کنیز صورت شریف عورتیں تھیں۔"

اس شعر سے پردہ کا عموی رواج اس حد تک ثابت ہوتا ہے کہ وہ شرافت وحیثیت کی نشانی تھا اور یہ کہ چہرہ کھول کر باہر نکلنا اُس وقت کنیزوں سے مخصوص تھا اس لیے کہ اگر اشراف عرب میں عورتوں کا بے نقاب نکلنا رائج ہوتا تو اُسے دشمن کے سامنے بطور شماتت وتشنیع ذکر نہ کیا جاتا۔

(۲) ایک اور شاعر ربیع بن زیاد کہتا ہے:۔

قد کن یخبأن الوجوه تستراً　　فالیوم حین بدون للنظّار

یہ بھی ویسے ہی موقع کا تذکرہ ہے جب میدان جنگ میں اضطراب کی وجہ سے عورتوں کے چہروں سے نقابیں ہٹ گئی ہیں۔ فرق یہ ہے کہ وہ دشمن کا ذکر تھا اور یہ اپنی جماعت کا۔ وہ تبسم زیر لب کے ساتھ

بطور شماتت کہا جا رہا تھا اور یہ ٹھنڈی سانسوں کے ساتھ بطور اظہارِ رنج۔ کہتا ہے کہ "ہمیشہ یہ خواتین پردہ داری کے طور پر اپنے چہرے چھپائے رکھتی تھیں مگر (افسوس) آج وہ اس طرح نکلیں کہ دیکھنے والوں کے سامنے بے پردہ تھیں"

شارح حماسہ خطیب تبریزی نے شرح میں کہا ہے:۔

ای کانت نساؤنا یحجبن وجوههن عفة وحیاء و الان ظهرن للناظرین لا یعقلن من الحزن۔

یعنی "ہماری عورتیں اپنے چہروں کو عفت و حیا سے چھپائے رکھتی تھیں اور اس وقت رنج و غم سے وہ ایسی بدحواس ہو ئیں کہ دیکھنے والوں کے سامنے نکل آئیں"

اس سے صاف ظاہر ہے کہ سوائے اضطراری موقع کے عرب میں چہروں کا بے نقاب رکھنا روا نہیں سمجھا جاتا تھا۔

(۳) ابن دمینہ کہتا ہے:۔

عهدت بها وحشا علیها براقع　　وهذی وحوش اصبحت لم تبرقع

یہ شعر تغزل میں ہے۔ ادبائے عرب جوان عورت کو 'ہرن' نیل گائے وغیرہ وحوش سے تشبیہ دیتے تھے۔ شاعر کی نظر دیار محبوب پر پڑتی ہے جو اب خالی ہیں اور وہاں جنگل کے ہرن گائیں وغیرہ مختلف (بیچ بیچ کے) وحوش چرتے ہوئے نظر آتے ہیں تو اُن حسینوں کو یاد کرتا ہے جو کسی وقت ان مکانات میں بسی ہوئی تھیں اور کہتا ہے کہ "میں نے

وہ سماں ایک وقت میں دیکھا ہے جب یہاں ایسے وحوش نظر آتے تھے جن پر برقعے ہوتے تھے اور آج یہ وحوش ہیں جو برقع پوش نہیں ہیں"

اس سے صاف ظاہر ہے کہ برقعے عمومی طور پر خواتین عرب میں رائج تھے ورنہ برقع کے ثبوت اور نفی کو شاعر انسان اور حیوان کی تفریق کا کنایہ نہ بناتا کیونکہ اُس نے "وحوش" کی لفظ کو مشترک قرار دیا ہے صرف جس لفظ سے یہ ثابت کیا ہے کہ اس سے انسانی وحوش یعنی دوشیزائیں مراد ہیں وہ (علیہا براقع) اُن پر برقع کا وجود ہونا ہی۔ اور جس لفظ سے یہ ثابت کیا ہے کہ اس سے واقعی وحوش یعنی جانور مراد ہیں وہ (لم تبرقع) برقع پوش نہ ہونا ہے۔ اس سے بڑھکر کیا ثبوت ہو سکتا ہے اس کا کہ برقع عام طور پر اُس وقت طبقۂ خواتین میں انسانیت کی نشانی سمجھا جاتا تھا۔

برقع کے متعلق یہ پہلے ثابت کیا جا چکا ہے کہ وہ چہروں کے پردہ کا ذریعہ ہوتا تھا اب اس کی لغوی تحقیق بھی سن لیجیے۔ چونکہ اردو زبان میں برقع کا مفہوم ذرا مختلف ہو گیا ہے یہاں تک کہ اب تو برقع نے ایک وضع لباس کی شکل بطور فیشن اختیار کر لی ہے جس کے ساتھ پردہ ہونا ضروری نہیں ہے مگر عربی زبان میں برقع کا یہ مفہوم نہ تھا۔ عکبری شارح دیوان متنبی نے لکھا ہے:۔

البرقع نقاب تتخذہ نساء الاعراب بستر الجبینین والحواجب والوجہ فیہ ثقبتان لنعینین (یعنی) برقع وہ

نقاب ہے جسے عرب عورتیں استعمال کرتی ہیں جس سے پیشانی، ابرو اور چہرہ پوشیدہ ہو جاتا ہے اور بس دو سوراخ آنکھوں کے لیے ہوا کرتے ہیں اس کے علاوہ عرب میں وہ پردہ بھی موجود تھا جس سے تمام قد و قامت کی مقدار نظر سے مخفی ہو جائے۔ اُن الفاظ میں جو اس پردہ کے لیے وضع ہوئے ہیں ایک "خِدر" ہے۔ چنانچہ اسی سے مشتق ہو کر ہماری عربی آمیز اُردو میں پردہ نشین خواتین کے لیے "مخدرات" کی لفظ مستعمل ہے "خِدر" کا ذکر زمانہ جاہلیت کے اشعار میں موجود ہے۔ شاعر کہتا ہے:۔

اعمی اذا ما جارتی خرجت حتی یواری جارتی الخدر

(اپنی پارسائی کا اظہار ہے کہ) میں اندھا بن جاتا ہوں جب میری ہمسایہ خاتون باہر نکلتی ہے جب تک کہ میری اُس ہمسائی کو خدر چھپا نہ لے۔" بلکہ شریف عورت کی خصوصی تعریف "خدر" کی نسبت دیگر عام روزمرّہ میں جاری و ساری تھی۔ ملاحظہ ہو امرأ القیس کا شعر:۔

وبیضۃ خدر لا یرام خباؤھا تمتعت من لھو بھا غیر معجل

اس میں حسین عورت کی تعبیر ہی "بیضۃ خدر" سے کی گئی ہے جس میں اضافت اتفاقی تعلق کی بناء پر نہیں ہو سکتی بلکہ وہ عمومی یا کم از کم عارضی اضافت و تعلق کا پتہ دیتی ہے۔

دوسری لفظ جو اسی طرح کے پردہ کے لیے استعمال ہوتی تھی وہ بھی اسی شعر میں مذکور ہے "خباء" یہ بھی اُسی طرح کے پردہ کا نام ہے

جو تمام قامت انسانی کے چھپانے کا فائدہ دیتا ہے۔

اس کے علاوہ عورتوں کو پردہ کا اتنا خیال تھا کہ "خبار" یا "بیت" کے اندر بھی گھر والوں سے مخفی ہونے کے لیے سوتے وقت پردہ ڈال لیتی تھیں اس لیے کہ وہ سوتے وقت مخصوص خواب کا لباس پہنتی تھیں جیسے "فضالہ" کہتے ہیں اسے پہن کر وہ عام گھر کے لوگوں کے سامنے بھی نہیں رہنا چاہتی تھیں۔ اس پردہ کا بھی ذکر امرا القیس کے کلام میں موجود ہے :-

فجئت وقد فضّت لنوم ثیابھا

لدی السّتر الا لبسۃ المتفضّل

"میں آیا اس حالت میں کہ اُس نے سونے کے لیے اپنے عام کپڑوں کو اُتار دیا تھا پردہ کے پیچھے سوائے اُس لباس کے جو شبخوابی کا ہوتا ہے"

ان تمام شواہد و اسناد سے ظاہر ہے کہ عرب کی عورتوں میں پردہ کا کس حد تک رواج تھا اور کس طرح وہ اُن میں معیار شرافت سمجھا جاتا تھا۔

تاریخی واقعات سے بھی ثابت ہے کہ عرب میں چہرہ کے چھپانے اور پردہ کرنے کا رواج تھا چنانچہ اسد الغابہ ابن اثیر جزری (جلد ۲ ص ۹۵) میں یہ واقعہ درج ہے۔ کہ حمل بن مالک بن نابغہ ہذلی کا گزر ا ثیلہ بنت راشد کی طرف سے ہوا۔ اس حالت میں کہ اُس نے اپنا برقع اپنے چہرہ سے اُٹھا یا تھا جب وہ جنگل میں اپنی بکریوں کو چرا رہی تھی۔ حمل نے

مالک کی نظر جوں ہی اُس پر پڑی اور اُس کے حسن و جمال کو دیکھا فوراً اپنے اونٹ کو بٹھا کر اُسے باندھ دیا اور اثیلہ کی طرف آکر چھیڑ چھاڑ کرنے لگا۔ اُس نے کہا اپنے آپے میں آؤ۔ اس وقت ہم اور تم اتفاقی طور پر ایک جگہ جمع ہو گئے ہیں۔ ایسا ہی ہے تو تم میرے باپ سے میری شادی کا پیغام دو۔ وہ تمھاری خواہش کو رد نہ کرینگے اُس نے نہ مانا اور دست درازی کرنا چاہی۔ لڑکی بہادر تھی اُس نے اُس شخص کو اُٹھا کر دے مارا اور سینہ پر بیٹھ گئی اور اُس سے عہد پیمان لیا کہ اب اس طرح کا ارادہ نہ کریگا۔ اسکے بعد سینہ سے اُتر گئی تو وہ پھر بیتاب ہوا اور شرارت پر آمادہ ہوا لڑکی نے پھر اُس کو گرایا۔ تین مرتبہ ایسا ہی ہوا اور آخری بار اُس نے اُس کے سر پر ایک لکڑی مار کر اُسے زخمی کر دیا جس کے بعد افتاں و خیزاں وہ واپس گیا۔

مذکورہ بالا واقعہ سے صاف ظاہر ہے کہ عرب کی بلند درجہ امیر خواتین کا ذکر نہیں بلکہ متوسط الحال اور غریب عورتیں ایسی کہ جو خود بھیڑ بکریاں چرانے جنگل میں جاتی تھیں وہ بھی اپنے چہرہ پر برقع ڈال لیتی تھیں اور اتفاق سے بضرورت برقع چہرہ سے ہٹا تھا تو یہ فتنہ برپا ہوا۔

گذشتہ تبصرہ سے یہ بات ظاہر ہو گئی کہ اسلام کے قبل پردہ کا وجود تھا۔ اُس زمانہ کے متمدّن اقوام میں رواج بھی۔ اُس زمانہ

مذاہب میں اصولاً بھی اور خود ملک عرب میں بطور عملدر آمد بھی۔

اس کے بعد چونکہ اسلام کا مقصد سابق کی ہر غلط بات کی اصلاح تھی، خواہ یکبارگی اور خواہ تدریجاً۔ یہاں تک کہ بعض ایسی باتیں جو کسی ممدوح جذبہ کے ماتحت رائج تھیں مگر طریق کار غلط تھا اُس کے خلاف بھی آواز بلند کی گئی جیسے لڑکیوں کا زندہ درگور کرنا برنبائے غیرت اور اولاد کو فقر و فاقہ کے نتائج سے بچانے کے لیے۔

یہاں تک کہ بعض ایسی پابندیاں جو غلط طور پر عائد کر دی گئی تھیں۔ اُن کے برطرف کرنے کے لیے اُس نے اپنے رسول کو بڑی سخت نکتہ چینی کے برداشت کرنے پر مجبور کر دیا صرف اس لیے کہ عوام کی ذہنیت میں تبدیلی ہو اور ایک غلط بات جو قائم ہو گئی ہے برطرف ہو جائے۔ جیسے اپنے مُنھ بولے بیٹے کو حقیقی بیٹا اور اُس کی بیوی کو بہو سمجھنا جو عام طور سے رائج ہو گیا تھا اُس کی اصلاح کے لیے رسول خود میدان عمل میں آگئے، اور آپ نے اپنے متبنّیٰ زید بن حارثہ کی مطلقہ زینب بنت جحش سے خود عقد کرنا ضروری سمجھا جس پر پہلے مشرکین ہی کی طرف سے نہیں۔ بلکہ آج تک آریوں اور عیسائیوں کی طرف سے بھی اعتراضات کی بھرمار ہے مگر اصلاح خلق کا مقصد اتنا اہم تھا کہ پیغمبر نے ان اعتراضات کی پرواہ نہ کی اور خود اپنے عمل سے اس کی نظیر قائم کرنا ضروری سمجھی۔

بعض چیزیں جو ایک دم ختم کرنا مناسب نہیں سمجھی گئیں اُن

میں اس طرح کے قیود و حدود عائد کیے گئے جن سے رفتہ رفتہ وہ کم ہوتی جائیں یہاں تک کہ ایک وقت میں بالکل ختم ہو سکیں۔ ایسی چیزوں کے متعلق اگر شرع میں کوئی صاف ممانعت نہیں بھی ہوتی تو اُس کے احکام سے کم از کم اُسکے منشا اور اُس کے رجحان کا پتہ ضرور چلتا ہے جس سے ظاہر ہو جاتا ہے کہ اُس کے احکام کی رفتار اُس شے کو بڑھانے کی متقاضی ہے یا کم کرنے کی۔ جیسے غلامی۔ اگرچہ اسلام نے بردہ فروشی کو کلیتہً ممنوع نہیں کیا مگر اُس کے مختلف احکام سے اُس کا یہ رجحان ضرور ظاہر ہوتا ہے کہ وہ آزادی کے زیادہ سے زیادہ امکانات پیدا کرنا چاہتا ہے۔

اس اصول کو پیش نظر رکھتے ہوئے غور کیجئے تو اگر اسلام کے قبل پردہ کا وجود نہ ہوتا اور اسلام پردہ قائم کرنے کی ضرورت سمجھتا تو ہمیں اسلام میں پردہ کے متعلق احکام ڈھونڈھنے کی ضرورت تھی۔ لیکن جبکہ اسلام کے قبل پردہ موجود تھا تو اگر بالفرض اسلام کے نزدیک یہ ایک غلط رسم ہوتی اور اُس کی اصلاح کی ضرورت ہوتی تو اسلام میں اُس کے خلاف آواز بلند کی گئی ہوتی۔ اگر صراحتہً ممانعت نہ بھی ہوتی تو اس طرح کے احکام ہوتے جو اُس میں تدریجی طور پر خفیف پیدا کرنے کے باعث ہوں۔ لیکن جبکہ ایسا نہیں ہے اور نہ صرف یہ کہ اسلام نے اس رسم کی برائی سے خاموشی اختیار کی ہو تنہا اس رسم کے باقی رکھنے کا ثبوت ہوتی بلکہ اُس نے اس رجحان کو

قوی بنانے کے اسباب فراہم کیے اور اس پابندی کو سخت کر دینے کے احکام جاری کیے تب تو کسی صورت سے یہ سمجھنا ممکن ہی نہیں کہ اسلام پردہ کے خلاف ہے یا وہ پردہ کا حامی نہیں ہے۔

نظر کا پردہ اور اسلامی احکام

پردہ کی پہلی قسم نظر کا پردہ ہے۔ اس کے بارہیں قرآن نے صاف طور پر حکم دیا ہے بلکہ اس سے مرد اور عورت کسی کو مستثنیٰ نہیں کیا ہے۔ ایک طرف مردوں کیلیے حکم دیا:۔ قل للمؤمنین یغضوا من ابصارھم ویحفظوا فروجھم ذٰلک ازکی لھم واللہ خبیرٌ بما یصنعون " اے رسول ایمان لانیوالے مردوں سے کہو کہ اپنی نظریں ہٹائے رہیں اور اپنے کو بدکاری سے محفوظ رکھیں۔ یہ اُن کے نفس کو پاک رکھنے کا ذریعہ ہے اور اللہ اُن کے کردار سے خوب واقف ہے "۔

اس میں مردوں کو اجنبی عورتوں پر نگاہ کرنے سے منع کیا گیا ہے بلا استثنا جس کے ساتھ اعضائے جسم کی کوئی تخصیص بھی نہیں کی گئی ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ غیر عورت کو دیکھنا نہیں چاہیے اور اور چونکہ کسی کو دیکھنے سے متبادر جو مفہوم ہے وہ اُس کے چہرہ پر نظر کرنا اس لیے چہرہ سب سے پہلے اس حکم میں داخل ہوگا۔

" یہ نفس کو پاک رکھنے کا ذریعہ ہے " اس سے اشارہ ہے

اس امر کی طرف کہ نگاہوں کا غیر عورت پر پڑنا نفس میں طرح طرح کی بری نیتیں پیدا ہونے کا باعث ہے اور اس لیے چشم پوشی کو لازم قرار دیا ہے۔

پھر لطیف عنوان سے یہ بھی اشارہ کر دیا گیا ہے کہ تم اس بارہیں لوگوں کی نگاہیں بچا کر اکثر خیانت کے مرتکب ہوتے ہو تمھاری اس "دزدیدہ نگاہی" سے دوسروں کو اطلاع ہو یا نہ ہو مگر اللہ تو ان سب باتوں کو خوب جانتا ہے اس لیے اُسکے سامنے تمھیں نگاہوں کے محاسبہ کیلیے تیار رہنا چاہیے۔

پھر یغضوا من ابصارھم کو ویحفظوا فروجھم کے ہمدوش ذکر کرنا اس کا پتہ دیتا ہے کہ نگاہوں کا تبادلہ اکثر "جنسی گناہ" کے عمل میں آجانے کا سبب بن جاتا ہے اور اس لیے نظر کا کسی پر پڑنے نہ دینا اپنے کو اُس جنسی گناہ (ارتکاب زنا) سے محفوظ رکھنے کا بہترین ذریعہ ہے۔

ہمارے استاد علامہ جناب سید باقر صاحب طاب ثراہ نے پردہ پر اپنی کتاب "اسدا الرغاب" میں جو نجف اشرف میں شائع ہوئی ہے تحریر فرمایا ہے کہ اس آیت سے استدلال میں یہ اعتراض نہیں کیا جاسکتا کہ اس میں "یغضوا" کے حکم کے ساتھ "من ابصارھم" کی لفظ ہے اور من عربی میں تبعیض یعنی جزئیت کے لیے آتا ہے۔ اس لیے یہ معنی ہونگے کہ کچھ اپنی نظروں کو روکنا چاہیے۔ لہذا یہ ثابت

نہیں ہوگا کہ کلیۃً اجنبی عورت پر نظر ڈالنا حرام ہے۔

اس کے متعدد جواب ہیں جن میں سب سے زیادہ مضبوط پہلو یہ ہے کہ مِن تبعیض کے لیے وہاں ہوتا ہے جہاں محاورہ کے لحاظ سے مِن کے استعمال کا عام رواج نہ ہو۔ لیکن اگر کسی لفظ کے ساتھ مِن بطور "صلہ" کے عموماً استعمال ہوتا ہے جیسے اردو میں کہنے کے کے ساتھ "سے" کی لفظ مثلاً "میں نے تم سے کہا" اور فارسی میں "گفت" کے ساتھ "ب" کا استعمال مثلاً "باو گفت" اور عربی میں قول کے ساتھ 'ل' کا استعمال مثلاً "قال لہ"۔ اس طرح اگر کسی فعل کے ساتھ عربی میں 'مِن' کا استعمال ہوتا ہے تو اس صورت 'من' تبعیض کو نہیں بتائیگا بلکہ صرف 'صلہ' ٹھہریگا غضّ کی لفظ ایسی ہی ہے کہ اس کے ساتھ "مِن" کا استعمال بطور صلہ ہوتا ہے جس کی اہل لغت نے تصریح کی ہے۔

فیومی نے "مصباح منیر" میں لکھا ہے:۔

غضّ الرجل صوتہ وطرفہ ومن طرفہ ومن صوتہ غضّاً من باب قتل خفض۔ اسکے معنی یہ ہیں کہ "غضّ طرفہ" اور "غضّ من طرفہ" دونوں ایک ہی معنی میں استعمال ہوتے ہیں۔

سید علی خاں مدنی شارح صحیفۂ کاملہ نے اس فقرۂ دعا کی شرح میں کہ "واغضّ بصری عنہم عفّۃ" لکھا ہے: غضّ الرّجل بصرہ ومن بصرہ من باب قتل خفضہ

اس کا بھی مطلب وہی ہے کہ "غضہ و غضّ من بصرہ" کے ایک ہی معنی ہیں۔

کلام عرب میں بھی یہ استعمال شائع ہے۔ چنانچہ جریر نے اپنے فرزند کے مرثیہ میں جس کا ذکر مبرد نے کامل میں کیا ہے کہا ہے:۔

فارقتنی حین غضّ الدھر من بصری
وحین صرت کعظم الرّمۃ البالی

"تم نے مجھ سے جدائی اختیار کی اسوقت جب زمانہ نے میری آنکھوں کو جھکا دیا اور جب میں ایک بوسیدہ ہڈی کے مثل کہنہ و فرسودہ ہوگیا"۔

حماسہ کے شاعر نے کہا ہے:۔۔۔۔

واغضّ من بصری واعلم انّہ   قد بان حد فوارسی ورماحی

پھر جبکہ غض کی لفظ کے ساتھ "من" کا استعمال ہوتا ہی ہے تو اس سے "تبعیض کے معنی کا پیدا کرنا کہاں درست ہوسکتا ہی؟

یہ حکم یغضّوا من ابصارھم تو مردوں کو دیا گیا تھا۔ دوسری طرف عورتوں کے لیے بھی حکم دیا گیا قل للمؤمنات یغضضن من ابصارھن ویحفظن فروجھن الخ" کہو ایمان لانیوالی عورتوں سے کہ وہ اپنی آنکھوں کو ہٹائے رہیں اور اپنے کو بدکاری سے محفوظ رکھیں"۔

چونکہ صنفی جذبات کے اشتعال میں نگاہوں کے لڑانے کو بڑا دخل ہے ایک کی نگاہ کا بہرہ یاب حسن ہونا اگر آگ سلگاتا ہے تو

دوسرے کی نگاہ کا اُٹھ جانا اُس آگ میں شعلے بلند کرتا ہے۔
اس لیے ایک طرف مردوں کو عورتوں کی طرف دیکھنے سے منع کیا
اور دوسری طرف عورتوں کو مردوں کی طرف نگاہ اُٹھا کر دیکھنے
سے روکا۔ اگر ان دونوں حکموں پر عمل ہو تو بہت حد تک خرابیوں
کا سدّ باب رہے۔

احادیث میں کبھی غیر عورت کی طرف نظر اُٹھانے کی بہت
شدّت کے ساتھ ممانعت کی گئی ہے کبھی ارشاد ہوا النظرۃ سہم
من سہام ابلیس مسموم
"نگاہ ایک تیر ہے شیطان کے تیروں میں سے جو زہر میں بجھایا
ہوا ہے" اس مضمون کے متعدد احادیث ہیں کبھی فرمایا:۔
انّما النّظرۃ من الشیطان "نگاہ کرنا شیطانی کام ہے"
کبھی فرمایا ایّاکم و النّظرۃ "دیکھو نظر کرنے سے پرہیز کرو" کبھی
من ملأ عینیہ من حرام ملأ اللّٰہ عینیہ یوم القیامۃ من
النار الّا ان یتوب و یرجع "جو اپنی آنکھوں کو نامحرم پر نظر
ڈالنے سے بھریگا خدا اُس کی آنکھوں کو روز قیامت آتش جہنم
سے پُر کریگا۔"

اس کے علاوہ کثیر التعداد احادیث میں یہ صراحت ہے کہ
پہلی نگاہ تو جائز ہے مگر دوسری نگاہ حرام ہے۔ اس کا مطلب
یہ ہے کہ راستا چلتے ہیں جو ایکا ایکا نظر پڑ گئی تو وہ معاف ہے۔ یعنی

یہ حکم نہیں ہے کہ آنکھیں بند کر کے راستا چلو مگر اس کے بعد ارادۃً پھر نظر اُٹھا کر دیکھنا ناجائز ہے اور باعث مواغذہ ۔

نہ یہ کہ خاص طور پر تم جو نگاہ اُٹھا کر بقصد وارادہ کسی اجنبی عورت پر نظر ڈالو تو یہ پہلی دفعہ جائز ہے ۔ ہرگز ایسا نہیں ہے بقصد و ارادہ غیر عورت کے جسم و چہرہ پہ نظر ڈالنا تو مطلقاً حرام ہے خواہ پہلی بار ہو یا بارہائے دیگر

پردہ کے متعلق قرآنی احکام

لباس کا پردہ یعنی کوئی برقع یا نقاب یا مقنع جس سے جسم کے علاوہ چہرہ بھی مخفی ہو جائے ۔ اس کا حکم صراحۃً قرآن مجید میں مذکور ہے۔ ارشاد ہوتا ہے : ولا یبدین زینتھن الا ما ظھر منھا ولیضربن بخمرھن علی جیوبھن ولا یبدین زینتھن الا لبعولتھن او ابائھن او اباء بعولتھن او ابنائھن او ابناء بعولتھن او الطفل الذین لم یظھروا علی عورات النساء

(یعنی) ”خواتین اپنی آرائش جسمانی کو نمایاں نہ کریں سوائے اس کے جو (پردہ کرنے کے بعد بھی قہراً آرائش نمایاں ہوتی ہے ۔ اور لازم ہے کہ وہ اپنے مقنعے اپنے سروں پر سے گریبانوں پہ لٹکا لیا کریں اور اپنی آرائش کو ظاہر نہ کریں مگر اپنے شوہروں کے لیے یا اپنے باپ داداؤں کے لیے یا اپنے شوہروں کے باپ داداؤں کے لیے

یا اپنی اولاد کے لیے یا اپنے شوہروں کی اولاد کے لیے یا اُن بچوں کے لیے جنھیں عورتوں کے نسوانی خصوصیات کی تمیز نہیں ہو"۔

اس آیت سے محرم اور نامحرم کی تفریق کی بنیاد قائم ہوئی ہے اور معلوم ہوا ہے کہ محارم سے جن کی یہاں فہرست درج ہے پردہ لازم نہیں ہے اور ان کے علاوہ جتنے ہیں وہ نامحرم ہیں اور ان سے پردہ لازم ہے۔ پھر اُس میں یہ اہتمام ہے کہ ان بچوں سے بھی پردہ لازم ہے جنھیں نسوانی امتیازات وخصوصیات کا احساس پیدا ہو گیا ہو۔ پھر خمار اوڑھنے اور خمار کو گریبانوں تک ڈالنے کا حکم بھی ہے تاکہ چہرہ کا کوئی حصہ کھلا ہوا نہ رہے۔

خمار کی یہ نوعیت کہ اُس سے چہرہ مخفی ہوا کرتا ہے کلام اہلِ زبان کی تتبع سے ثابت ہے۔ متنبی کہتا ہے۔

انی علی شغفی بما فی خمرها لاعف عما فی سراویلاتها

"میں باوجود اُس شیفتگی کے جو مجھے اُسکے "زیر خمار" کے ساتھ ہے۔ پھر بھی پرہیز رکھتا ہوں اُس حصۂ جسم سے جو زیر جامہ سے مستور ہو"۔

عکبری نے تبیان میں اس کی شرح کرتے ہوئے لکھا ہے:۔

انی مع حبی لوجوههن اعف عن ابدانهن (یعنی) "میں باوجود ان کے چہروں کی محبت کے اُن کے جسم سے علیحدہ رہتا ہوں"۔

علامہ سید رضی رحمہ اللہ نے اسی مضمون کو ان الفاظ میں نظم کیا ہے:۔

احنّ الیٰ ما تضمر الخمر و الحلی	واصدف عما فی ضمان المآزر

"میں مشتاق رہتا ہوں اُن اجزاے بدن کا جنھیں خمار اور زیور پنہاں کیے ہوے ہیں اور پرہیز کرتا ہوں اُن اجزائے جسم سے جو تہبند کی ضمانت میں ہیں"

قاضی ابو علی تنوخی نے کہا ہے :-

قل للملیحۃ فی الخمار المذہب	افسدت نسک اخی التقی المترہب

نور الخمار و نور خدک تحتہ	عجبا لوجہک کیف لم یتلہب

"کہو اُس حسینہ سے جو زرتار خمار میں ہے کہ تو نے پرہیزگار زاہد کی بھی نیت خراب کر دی ۔ خمار کی چمک اور پھر تیرے رخسارے کا نور اُسکے نیچے ۔ تعجب ہی کہ تیرے چہرہ سے شعلے کیوں نہ اُٹھنے لگے"

اس سے صاف ظاہر ہے کہ خمار چہرہ کے اوپر ہوتا ہی اور رخسارہ زیر خمار مستور ہوتے ہیں ۔

متنبی کا ایک شعر ہے :-

سفرت و برقعہا الحیاء بصفرۃ	سترت محاسنہا ولم تک برقعا

اس کی شرح میں علامہ عکبری نے لکھا ہے :-

یقول لما القت خمارہا و اسفرت عن وجہہا برقعہا الحیاء بصفرۃ "شاعر کا مطلب یہ ہی کہ جب اُس نے خمار اُتار دیا اور چہرہ اپنا ظاہر کر دیا تو حیا اور شرم نے اُس کے چہرہ پر زردی کا برقعہ ڈال دیا"

معلوم ہوا کہ خمار کے اُتار نے سے چہرہ ظاہر ہوتا ہے اور خمار ڈالے رکھنے سے چہرہ پوشیدہ ہوتا ہے۔

بحار الانوار میں حبابہ والبیہ کی روایت ہے کہ وہ امام کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ حضرت نے دریافت حال کیا۔ انھوں نے کہا مجھے ایک خاص شکایت پیدا ہو گئی ہے جس کی وجہ سے حاضر نہ ہوئی۔ حضرت نے فرمایا کیا شکایت۔ اس موقع پر روایت کا فقرہ یہ ہے کہ قالت فکشفت خماری عن برص وہ کہتی ہیں کہ "میں نے خمار ہٹا کر برص کا نشان دکھایا" اس سے ثابت ہے کہ برص ایسی جگہ تھا کہ خمار سے چھپا ہوا تھا۔ دوسری روایت میں جسے ابن شہر آشوب نے مناقب میں درج کیا ہے۔ تصریح ہے کہ کان نوجھی وضح حبابہ کا بیان ہے کہ میرے چہرہ میں یہ سفیدی کا داغ تھا۔ نتیجہ ظاہر ہے کہ خمار چہرہ سے متعلق ہوتا ہے۔

اس کے بعد جو قرآن نے حکم دیا ہے کہ خمار کو اپنے گریبانوں پر ڈالے رہیں تو اس کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ خمار صرف چہرہ کی مقدار بھر نہ ہو ورنہ ہوا کی تحریک یا رفتار کی جنبش سے چہرہ کا کھل جانا یقینی ہے بلکہ وہ ایسا ہو کہ گردن کو چھپاتا ہوا گریبان تک پہونچ جائے تاکہ چہرہ و گردن وغیرہ کا کوئی حصہ کسی حالت میں نمایاں نہ ہو۔ اس سے پردہ کے بارے میں قرآن کے اہتمام کا ناقابل انکار ثبوت ملتا ہے۔

(دوسری آیت) یٰایّھا النبیّ قل لازواجک وبناتک ونسآء المؤمنین یدنین علیھن من جلابیبھنّ ذلک ادنی ان یعرفن فلا یؤذین

"اے پیغمبر کہدو اپنی بیویوں سے اور اپنے گھر کی لڑکیوں سے اور تمام مسلمانوں کی عورتوں سے کہ وہ اپنی چادروں کو اپنے سروں کے اوپر سے چہروں پر لٹکا لیا کریں ۔ یہ کم از کم وہ امتیاز ہے جس سے اُن کی شناخت ہو اور پھر انھیں نہ ستایا جائے"

واقعہ یہ تھا کہ ابتدائے اسلام میں لاپروائی سے اکثر عورتیں بس چادر سر پر ڈال لیتی تھیں اور نکل جاتی تھیں ۔ بعض منچلے نوجوان کبھی عورتوں کو چھیڑتے اور ستاتے تھے اور اکثر شریف عورتیں بھی کنیزوں یا دوسری طرح کی عورتوں کے دھوکے میں اس تکلیف و توہین سے دوچار ہوتی تھیں ۔ اس بنا پر حکم دیا گیا کہ شریف عورتیں اگر اپنی شرافت کی لاج رکھنا چاہتی ہیں تو انھیں خود اپنا تحفظ کرنا چاہیے ایسا جو اُن کی شرافت کا امتیازی نشان ہو اور وہ یہ کہ یہ اپنے چہروں کو کھولے نہ پھریں ۔ بلکہ سروں کے اوپر سے برقع اتنا لٹکا لیں کہ چہرہ پر نقاب کی صورت سے آجائے اور اس طرح آوارہ مزاج نوجوانوں کو یہ جرأت نہ ہو کہ وہ ان کو تکلیف پہونچا دیں ۔

لُغویین اور مفسرین کا اتفاق ہے کہ 'ادنا جلباب' کے

معنی میں چہرہ کا چھپانا ضروری طور پر داخل ہو۔ چنانچہ علامہ زمخشری نے تفسیر کشاف (جلد ۲ ص ۲۲۱) میں لکھا ہے:۔

معنی یدنین علیھن من جلابیبھن یرخینھا علیھن ویغطین بھا وجوھھن واعطافھن یقال اذا زل الثوب عن وجہ المرأۃ ادنی ثوبک علی وجھک۔

پھر زمانہ جاہلیت کی لاپرواہی اور آیت کی شان نزول ذکر کرنے کے بعد جس کا بیان ہم پہلے کر چکے ہیں، لکھا ہے:۔

فامرن ان یخالفن بزیھن عن زی الاماء بلبس الاردیہ والملاحف وستر الرؤس والوجوہ فیحتشمن ویھبن فلا یطمع فیھن طامع۔

"آزاد اور شریف عورتوں کو حکم ہوا کہ وہ اپنے سر اور چہرے چھپائیں تاکہ اُن کی وقعت قائم ہو اور ہوسناک اُن کے بارہ میں ہوس سے کام نہ لے سکیں"۔

حافظ جلال الدین سیوطی نے درمنثور (جلد ۵ ص ۲۳۱) میں لکھا ہے:۔

اخرج ابن سعد عن محمد بن کعب القرظی رضی اللہ عنہ قال کان رجل من المنافقین یتعرض لنساء المومنین یوذیھن فاذا قیل لہ قال کنت احسبھا امۃ فامر اللہ تعالی ان یخالفن زی الاماء ویدنین علیھن من

جلابیبھن تخمر وجھھا الا احدی عینیھا۔

پھر لکھا ہے:۔

واخرج ابن جریر وابن ابی حاتم وابن مردویہ عن ابن عباس رضی اللہ عنھما فی ھذہ الایۃ قال امر اللہ نساء المؤمنین اذا خرجن عن بیوتھن فی حاجۃ ان یغطین وجوھھن من فوق رؤسھن بالجلابیب ویبدین عینا واحدۃ

پھر ص۲۲۳ میں لکھا ہے:۔

اخرج ابن المنذر وابن ابی حاتم عن محمد بن سیرین رضی اللہ عنہ قال سألت ابا عبیدۃ السلمانی رضی اللہ عنہ عن قول اللہ یدنین علیھن من جلابیبھن فتقنع بملحفۃ فغطی راسہ ووجھہ واخرج احدی عینیہ

خطیب شربینی نے سراج منیر (صفحہ ۲۵۵) میں لکھا ہے:۔

یدنین علیھن ای علی وجوھھن وجمیع ابدانھن فلا یدعن منھا شیئا مکشوفا

"یدنین علیھن کا مطلب یہ ہے کہ تمام اپنے چہروں اور جسموں کو چھپالیں اور کوئی جزو ان میں کا کھلا ہوا نہ چھوڑیں۔"

تفسیر جلالین میں ہے:۔ ای یرخین بعضھا علی الوجوہ اذا خرجن لحاجتھن "یدنین علیھن من جلابیبھن کے معنی

یہ ہیں کہ چادروں کا کچھ حصہ چہروں پر ڈال لیا کریں جب کسی ضرورت سے گھر سے نکلیں۔"

بیضاوی نے اپنی تفسیر (مطبوعہ اسلامبول ۱۳۰۵ھ ص ۵۶۳) میں لکھا ہے:۔ "یغطین وجوھھن وابدانھن اذا برزن لحاجۃ" اپنے چہروں اور جسموں کو چھپائیں جب کسی ضرورت سے نکلیں۔"

علامہ نظام الدین حسن بن محمد بن حسن قمی نیشاپوری نے اپنی تفسیر غرائب القرآن (ج ۲۲ ص ۳۲) مطبوعہ مصر برحاشیہ تفسیر طبری میں لکھا ہے۔ معنی یدنین علیھن یرخین علیھن یقال للمرأۃ اذا زل الثوب عن وجھھا ادنی ثوبک علی وجھک۔ ابوالسعود نے اپنی تفسیر (ج ۷ برحاشیہ تفسیر کبیر ص ۸۰) میں لکھا ہے:۔ ای یغطین بھا وجوھھن وابدانھن اذا برزن لداعیہ من الدواعی۔

سید محمد عثمان میرغنی مکی حسینی حنفی نے تاج التفاسیر (ج ۲ ص ۹۳ مطبوعہ مصر ۱۳۰۳ھ) میں لکھا ہے۔

یدنین علیھن من جلابیبھن ای یرخین علی وجوھھن وسائر اجسادھن ما یسترھن من الملاءات والثوب الساتر

ملا حسین واعظ کاشفی نے اپنی تفسیر مواہب علیہ (مطبوعہ بمبئی ج ۳ ص ۱۸۲) میں لکھا ہے "بوقت بیروں رفتن از خانہ نزدیک گردانند و فرو گزارند بر رویہا و بدنہائے خویش چادرہائے

خود را یعنی وجوہ و ابدان خود را بدان میوشانند۔ این پوشیدن سر و روے و بدن نزدیک تراست بانکہ ایشان را بشناسند بصلاح وعفت یا متمیز شوند باز ادی۔

یہ تو مفسرین اہلسنت کے عبارات ہیں اور مفسرین شیعہ بھی اس سے متفق ہیں چنانچہ علامہ طبرسی نے مجمع البیان (ج ۲ ص ۳۷۵) میں لکھا ہے:-

الجلباب خمار المرأۃ التی یغطی راسہا و وجہہا اذا خرجت لحاجۃ "جلباب سے مراد وہ لباس ہے جس سے عورت اپنے سر اور چہرہ کو چھپائے کسی ضرورت سے نکلنے کے وقت"!

دوسری کتاب جوامع الجامع (ص ۳۷۶) میں فرماتے ہیں"

معنی یدنین علیہن من جلابیبہن یرخین علیہن ویغطین بہا وجوہہن واعطافہن یقال اذا زال الثوب عن وجہ المرأۃ ادنی ثوبک علی وجہک "یعنی" یدنین علیہن من جلابیبہن کے معنی یہ ہیں کہ چادروں کو لٹکا لیں اور ان سے چہروں کو اور تمام اطراف و جوانب کو بالکل چھپالیں۔ زبان عرب میں اس موقع پر جب کپڑا عورت کے چہرہ سے ہٹ جائے کہا جاتا ہے ادنی ثوبک علی وجھک یعنی اپنے کپڑے کو چہرہ پر لٹکالو"

پھر فرماتے ہیں کہ "من جلابیبہن میں من تبعیض کا ہے ای یرخین بعض جلابیبہن علی الوجہ " مطلب یہ ہے کہ کچھ حصہ چادر کا چہرہ پر ڈال لیں"

ملا محسن کاشانی نے تفسیر صافی صـ۲۷ـ۲ میں لکھا ہے :-

یغطین وجوھھن وابدانھن بملاحفھن اذا برزن لحاجۃ۔ شیخ فخر الدین طریحی نجفی نے مجمع البحرین (صـ۱۰ـ۱) میں لکھا ہے:-

معنی یدنین علیھن من جلابیبھن ای یرخینھا علیھن ویغطین بہ وجوھھن واعطافھن ای اکتافھن "

سلطان محمد بن حیدر زنجابدی خراسانی نے اپنی تفسیر بیان السعادۃ فی مقامات العبادۃ (ج ۲ صـ۱۴۷ـ مطبوعہ طہران ۱۳۱۴ھ) میں لکھا ہے:

کن لا یغطین وجوھھن وسائر مواضع زینتھن بجلبابھن فامر اللہ تعالیٰ لسترالوجوہ والبدن بالجلابیب " پہلے عورتیں عموماً اپنے چہروں اور باقی مقامات زینت کو چھپانے کا لحاظ نہ کرتی تھیں اس لیے خداوند عالم نے حکم دیا کہ وہ اپنے چہروں اور سینوں کو چادروں سے چھپا لیا کریں "

حاج میرزا حسن ملقب بہ صفی شاہ نعمت اللٰہی نے اپنی تفسیر میں جس کی خاص خصوصیت یہ ہے کہ وہ نثر میں بھی ہے اور نظم میں بھی آیت کی دونوں طرح تفسیر کی ہے۔ پہلے نثر میں کہتے ہیں (صـ۶۲ـ۸) " اے پیغمبر برگزیدہ بگو مرزنان خود را و دختران خود را و زنان گروندگان کہ وقت خروج نزدیک کنند بر ایشاں بر روئیہا چادرہائے خود را "

پھر نظم میں کہتے ہیں (صـ۶۳ـ۸) :-

اے پیمبر گو بازواجت چنیں ہم بنانت ہم نساء مومنیں

اینکہ بر روے از پے ستر و حجاب | چادرے گیرند در وقت ذہاب
تا بپوشند سینہ و رو ہاے شان | ساق و ساعد پشت و پہلوہائے شان

اقرب ایں باشد بعفت بے ستیز | تا کہ بشناسند شاں اہل تمیز

ملا فتح اللہ شیرازی نے منہج الصادقین (ج ۳ ص ۶۱۹) میں لکھا ہے
یدنین نزدیک گردانند و فرو گزارند علیہن بر رو و پہلوہائے
خود جلابیبھن چادر ہائے خود را یعنی وجوہ و ابدان را بداں بپوشند
ذلک آں پوشیدن سر و روئے ادنی نزدیکتر است بآنکہ ان یعرفن
ایشاں را بشناسند بصلاح و عفت تا بہ جہت آں متعرض ایشاں
نشوند"۔

اب اس سے بڑھ کر چہرہ کو چھپانے کے بارے میں صاف
حکم کیا ہو سکتا ہے؟

(تیسری آیت) والقواعد من النساء اللاتی لا یرجون
نکاحا فلیس علیھن جناح ان یضعن ثیابھن غیر
متبرجات بزینۃ و ان یستعففن خیر لھن واللہ سمیع
علیم۔

"وہ از کار رفتہ عورتیں جن کے لیے اب کسی مرد کی رغبت کی
توقع نہیں ہو سکتی اُن کے لیے کوئی مضائقہ نہیں کہ وہ اپنے پردہ
کے لباس کو اُتار دیں لیکن اپنی زینت کو دکھاتی ہوئی بن ٹھن کر

نہ پھیریں اور پھر اگر عفت سے کام لیں تو یہ ان کے لیے بہتر ہے۔ اور اللہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔"

یہاں آیت کی اٹھان شروع سے بتا رہی ہے کہ ایک حکم عام سے رعایتی استثنار کی صورت سے ایک اجازت دی جا رہی ہے۔

اب دیکھیے کہ استثنا میں قیود کتنے سخت عائد کیے گئے ہیں۔ ہو سکتا تھا کہ دیا جاتا کہ "بوڑھی عورتیں" مگر بڑھاپے کو ایک عمر خاص پر محمول کیا جا سکتا تھا جس میں مختلف عورتوں کی حالت کاٹھی کے اعتبار سے جدا جدا ہو سکتی ہے اس لیے پہلے ہی لفظ "قواعد" کی رکھی گئی ہے جو اس پیری کے درجہ کا پتہ دیتی ہے جس میں انسان بالکل معذور ہو جاتا ہے۔ پھر اس کے ساتھ "معیار حکم" کا پتہ دینے کے لیے یہ قید لگا دی کہ (اللاتی لا یرجون نکاحا) جس سے اندازہ ہوا کہ پردہ جس خطرہ کے احساس کی بنا پر تھا وہ خطرہ ان میں دور ہو چکا ہے۔ ان کے لیے یہ حکم ہے کہ یہ اپنے اوپر کے کپڑے کو اتار کر رکھ دیں۔ ظاہر ہے کہ ان کپڑوں سے مراد وہ لباس تو قطعاً نہیں ہی جو جسم سے متصل ہوتا ہے اور جس کے ہٹنے سے انسان مادرزاد برہنہ ہو جاتا ہے بلکہ ایسے لباس کے بعد پھر نسوانی پردہ داری کے نقطہ نظر سے جو برقع وغیرہ ڈالا جاتا ہے اس طرح کے لباس کو دور کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔

اس کے لیے بلاغت قرآنی نے ایک لفظ کے انتخاب سے

اشارہ کیا ہے جس کو عربیت میں ڈوبے ہوئے اشخاص ہی سمجھ سکتے ہیں وہ یہ کہ ایسا لباس جو جسم سے متصل ہوتا ہے جس کے اوپر پہننا صادق آتا ہے اُسکے جسم سے دور کرنے کے لیے لفظ استعمال ہوگی "نزع" جسکے معنی ہوں گے جسم سے اُتارنا۔ قرآن نے "ینزعن ثیابھنّ" استعمال نہیں کیا ہے بلکہ "یضعن ثیابھنّ"۔ یہ وہ لباس ہی جو جسم سے اُس طرح کا اتصال نہیں رکھتا جس کا ہٹانا جسم سے کسی لباس کا اُتارنا ہوتا کہ نزع صادق آئے بلکہ یہ وہ لباس ہے جو اُٹھاکر الگ سے جسم پر ڈال لیا جاتا ہے اور اُس کا دور کرنا یہ ہے کہ اُس کو اُٹھاکر ڈالا نہ جائے بلکہ رہنے دیا جائے۔ اسی لیے وضع کی لفظ کا استعمال کیا ہے جس کے معنی اُتارنے کے نہیں بلکہ رکھنے یا رہنے دینے کے ہیں۔

قرآن میں نزع کی لفظ کا استعمال موجود ہے جس سے اُس کے معنی کی خصوصیت ظاہر ہوگی اور وہ قصہ آدمؑ وحوا میں تناول گندم کے بعد ہے۔ "وینزع عنھما لباسھما لیریھما سوءاتھما" "شیطان اُن کے جسم سے اُن کے لباس کے اُترنے کا باعث ہو رہا تھا کہ ان کے جسم کے وہ اجزا جنھیں چھپانا لازم ہے ظاہر ہو جائیں"۔ یہ چونکہ اُس لباس سے متعلق ہے کہ جو جسم سے متصل ہوتا ہے اس لیے نزع کی لفظ ہے۔ اور وضع کی لفظ کا استعمال یوں ہے کہ :-

یضع عنھم اصرھم والاغلال التی کانت علیھم

"پیغمبر اُن سے اُن کے بوجھے کو اُتار رہا تھا اور اُن زنجیروں کو جو اُنکے

اوپر پڑی ہوئی تھیں"۔

ظاہر ہے کہ بوجھا الگ سے ایک چیز ہوتی ہے جو جسم کے اوپر رکھی جاتی ہے۔ اس لیے اُس کے اُتار کر رکھ دینے کو وضع کی لفظ سے تعبیر کیا ہے۔ اب اس کا سمجھنا آسان ہے کہ قواعد نساء کیلئے جن کپڑوں کو الگ کرنے کی اجازت دی ہے اُن کے لیے نزع کی لفظ کا اطلاق کیوں نہیں ہوا اور وضع کی لفظ کا اطلاق کیوں ہوا؟ اور اس سے ثابت ہوا کہ جو قواعد من النساء نہ ہوں اور جنھیں مردوں کے خواہشات نفس کا مرکز بننے کا اندیشہ ہو اُن کے لیے علاوہ اُس لباس کے جو تمدنی زندگی میں جسم سے متصل ہونا ناگزیر ہو شرع کی جانب سے ایک طرح کا لباس ایسا ہونا لازم ہے جو اوپر سے جسم پر ڈالا جائے۔

یضع عنھم اصرھم کی مدد سے یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ وہ لباس جسم پر ایک بار کی طرح محسوس ہوتا ہے لیکن پردہ داری کی حفاظت کے لیے ایسے لباس کا اُن عورتوں کے لیے ہونا ضروری ہے۔

اقوال ائمہ معصومین ع سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے چنانچہ صحیحہ محمد بن مسلم میں ہے امام سے پوچھا کہ از کار رفتہ ضعیف عورتوں کے لیے کس لباس کا علیحدہ کرنا جائز ہے؟ حضرت نے فرمایا جلباب! حسنہ محمد بن ابی حمزہ میں بھی یہی ہے کہ تضع الجلباب وحدہ "وہ بس صرف اوپر کی چادر کو اُتار سکتی ہیں"۔

پھر اس استثنا میں جو ضعیف العمر عورتوں کے لیے ہے یہ قید لگائی جاتی ہے کہ وہ بھی اپنی زینت کو ظاہر کرتی ہوئی بن ٹھن کر نہ پھریں۔ یہ وہ بڑھیاں ہو سکتی ہیں جنھیں جوان بننے کی ہوس ہے یا جنھیں بڑھاپے میں بھی شوق چرّاتا ہے کہ وہ لوگوں کی نگاہوں میں حسین معلوم ہوں مگر اس کا حق انھیں نہیں دیا جاتا۔

تو پھر جوان عورت جو فطری دلکشی کی حامل ہے اُسکے لیے کب شریعت اس کی اجازت دے گی کہ وہ بے پردہ مردوں کے سامنے باہر آئے۔

پھر اُن ضعیف عورتوں کیلیے بھی آخر میں یہ کہدیا جاتا ہے کہ وہ عفّت سے کام لیں تو بہتر ہے۔

اس کے معنی یہ ہیں کہ نظرِ شرع میں خود بے پردہ نکلنا ہی عفّت کے خلاف ہے خواہ اس کے ساتھ کوئی بدنیتی شامل نہ ہو۔

اس سے اُن نیک دل بھائیوں کو سبق ملیگا جو یہ کہتے ہیں کہ اصل میں نیّت بخیر ہونا چاہیے پھر پردہ نہ بھی ہو تو کیا مضائقہ؟ اُن کے نزدیک عفت کو صدمہ اُس وقت پہونچیگا کہ جب فسق و فجور و خیانت کے عملی ارتکاب کا ارادہ پیدا ہو۔ اور بغیر اس کے کتنی ہی بے پردہ عورت ہو وہ نیکوکار اور پارسا سمجھی جائیگی مگر افسوس ہے کہ قرآن اس بارے میں اُن کا ہم آواز نہیں ہے۔

حکم پردہ سے ماظہر منہا کا استثناء

مفسرین کی پریشان خیالی اور اسکا مختتم فیصلہ

وہ جو پردہ کے مخالف ہیں الا ماظہر منہا کی لفظ سے استدلال کرتے ہیں اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ قرآن نے کم از کم ہاتھوں اور چہرہ کو مستثنے کر دیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ لا یبدین زینتھن "اپنی زینت کو نہ ظاہر کریں" اس میں زینت سے مراد مقامات زینت ہیں یعنی جسم کے وہ حصے جن کی آرائش کی جاتی ہے اور اُن سے استثنا کیا گیا ہے الا ماظہر منہا "مگر وہ جو اُن میں سے ظاہر ہوں" اس کا مطلب یہ ہی کہ اُن مقامات زینت کا چھپانا لازم نہیں ہے جو کہ نمایاں ہیں۔ یہ مقاماتِ زینت کون ہیں؟ ہاتھ اور چہرہ۔ یہی وہ اعضائے زینت ہیں جو قدرۃً نمایاں ہیں۔ ابن عباس سے اس کی یہی تشریح منقول ہی اور دوسری تفسیر یہ ہے کہ الا ماظہر منہا سے مراد سرمہ اور مہندی ہے۔ ظاہر ہی کہ ان کا انکشاف اُس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک چہرہ اور ہاتھ کھلے ہوئے نہ ہوں لہٰذا معلوم ہوا کہ چہرہ اور ہاتھوں کا کھلا ہونا شرعًا جائز ہے۔

یہ استدلال ہے جو مخالفین پردہ کی طرف سے پیش کیا جاتا ہے مگر وہ درست نہیں ہے۔

ابن عباس وغیرہ کی تفسیر جب تک بطریق معتبر معصوم تک منتہی نہ ہو حجت اور لازم العمل نہیں ہے خصوصاً جبکہ اُن میں اختلاف بھی موجود ہے۔ ابن عباس کی زبانی بیان کیا جاتا ہے کہ وجہ وکفین مراد ہیں یا یہ کہ سرمہ وحنا مراد ہے۔ اور ابن مسعود کا قول نظر آتا ہے کہ اُس سے لباس مراد ہے۔ ایسی صورت میں ان غیر معصوم مفسروں کا اعتبار ہی کیا تحقیق پسندی کے لحاظ سے اس سے بہتر تو یہی ہے کہ خود الفاظ قرآن پر نظر ڈالی جائے اور اُن سے کسی نتیجہ تک پہونچنے کی کوشش کی جائے۔

جہاں تک تبادر ذہنی اور فہم عرفی کا تعلق ہے کوئی شک نہیں کہ زینت کے معنی آرائش کے ہیں جو ایک خارجی چیز ہے۔ اجزائے جسم ہرگز بغیر مجازی تصرف اور قرینۂ خاص کے زینت میں داخل نہیں ہوتے۔ قرآن مجید نے بھی زینت کا استعمال اسی معنی میں کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے: خذوا زینتکم عند کل مسجد "نماز کے موقع پر اپنی زینت اپنے ساتھ لے لو" کھلی ہوئی بات ہے کہ زینت سے مراد یہاں لباس وزیور ہی وغیرہ ہے۔ اجزائے بدن مراد نہیں ہیں۔

خود اسی آیت پردہ کے آخر میں ہے ولا یضربن بارجلھن لیعلم ما یخفین من زینتھن "اپنے پیروں کو زمین پر مار کر نہ چلیں تاکہ جو زینت وہ چھپائے ہوئے ہیں معلوم ہو" یہاں زینت سے چھاگل، جھانجھ، پازیب وغیرہ وہ زیور ہی مراد ہیں جو پیروں میں پہنے ہوئے ہیں۔

جبکہ زینت کا مفہوم عرفی یہی ہے اور قرآن مجید کے استعمالات بھی اس کے شاہد ہیں تو پھر اس کی کیا وجہ کہ لا یبدین زینتھن میں زینت سے مراد اجزائے بدن لیے جائیں بلکہ یہی سمجھنا چاہیے کہ جو سامان آرائش جسم پر ہے اُسی کے چھپانے کا حکم ہے۔ یہ سامان آرائش کیا ہوتا ہے؟ یہی زیور اور لباس اُسکی پردہ داری کا حکم ہوا ہے اسی لیے کہ جسم کا کوئی حصہ کھلنے نہ پائے مگر دشواری یہ ہے کہ خود وہ لباس جس سے جسم اور جسم سے متصل زینت کو ڈھانکا جائے مثلاً برقع یا چادر یا مقنع وہ بھی زینت کے اطلاق میں داخل ہے لہذا اُسے بھی چھپانا لازم قرار پاتا ہے اس بنا پر استثنا کیا گیا کہ الا ما ظہر منھا یعنی جو زینت جسم کو چھپانے کے بعد بھی قدرۃً ظاہر ہوتی ہے جیسے اوپر کا ملبوس یا سر کا مقنع یا پیر کی جرابیں یا ہاتھ کے دستانے ان کا چھپانا لازم نہیں ہے۔ خود اسی آیت کا آخری ٹکڑا کہ لئلا یعلم ما یخفین من زینتھن اس تشریح کی صحت کا گواہ ہے کیونکہ ظہور اور خفاء متقابل صفتیں ہیں۔ پیر مار کر نہ چلیں تاکہ جو زینت چھپائے ہوئے ہیں وہ ظاہر ہو۔ چھپائے ہوئے ہیں کا ہے میں یعنی لباس کے اندر تو اب جو زینت نہیں چھپی ہوئی ہو وہ کون ہوئی؟ جو لباس کے اُوپر سے نمایاں رہے۔ یعنی لباس کے اندر جو آرائش ہو وہ زینت مخفی ہے اور لباس کے اوپر سے جو آرائش ہو وہ زینت ظاہر ہے۔ باطن اور ظاہر کے عربی زبان

میں یہ معنی شائع و ذائع ہیں۔ چنانچہ مکان کی تعریف میں حکماء کہتے ہیں السطح الباطن من الجسم الحاوی المماس للسطح الظاہر من الجسم المحوی "سطح باطن" یعنی نیچے کی سطح اور "سطح ظاہر" اوپر کی سطح۔ نہج البلاغہ میں ہے۔ ھو الظاھر فلا شیئ فوقہ والباطن فلا شیئ تحتہ۔ یہاں بھی ظاہر سے مراد اوپر اور باطن سے مراد نیچے لیا گیا ہے۔

پھر یہ ہر صاحب عقل کو سمجھنا چاہیے کہ جس شریعت کو پردہ میں یہ اہتمام ہو کہ پازیب یا چھاگل کی آواز کا غیر مرد تک پہونچنا پسند نہ کرے وہ عورت کے چہرہ کا جو حسن و جمال کا بڑا مرکز ہی غیر مردوں کے سامنے بے نقاب ہونا کیونکر پسند کر سکتی ہی۔ قرآنی آیت سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اگر چھاگل وغیرہ پہنے ہو تو پیر آہستہ رکھکر چلے کہ آواز نہ بلند ہو اور حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایسی چھاگل کو پہننا ہی بہتر نہیں ہے جس میں آواز پیدا ہو۔ چنانچہ علی بن جعفرؑ نے اپنے برادر عالیمقدار امام موسی کاظم سے جو تحریری مسائل دریافت کیے تھے اور اُن کا جواب حضرت نے دیا تھا اُس میں ہے۔ سألتہ عن الخلاخیل ایصلح لباسھا للنساء قال ان کن صمّاء فلا باس وان کان لھا صوت فلا۔ امام سے دریافت کیا گیا کہ چھاگل اور پازیب کا پہننا عورتوں کے لیے کیسا ہی؟ حضرت نے تحریر فرمایا کہ اگر بے آواز ہوں تو کوئی حرج

نہیں اور اگر آواز دیتی ہوں تو نہیں"۔

جناب اُستاد علام مولانا سید باقر صاحب قبلہ طاب ثراہ نے فریق مخالف کے اس خیال کو مان کر بھی کہ زینت سے مراد اجزائے جسمانی ہیں آیت کے سیاق سے ایک نہایت محققانہ نتیجہ نکالا ہے جو موصوف کی دقت نظر کا نتیجہ ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ سیاق آیت کو دیکھو اس میں ایک دفعہ لا یبدین زینتھن کہا گیا ہے۔ یعنی عورتوں کو چاہیے کہ اپنی زینت کا اظہار نہ کریں اور اس میں استثناء کیا گیا ہے کہ الا ما ظھر منھا مگر وہ جو ظاہر زینت ہو"۔ اس مقام پر محرم اور نامحرم کی کوئی تفریق نہیں ہے۔ اس کے بعد ولیضربن بخمرھن علی جیوبھن "اپنے خماروں کو اپنے گریبانوں پر ڈالیں"۔ اس حکم کے بعد پھر ارشاد ہوا ہے ولا یبدین زینتھن اور چاہیے کہ اپنی زینت کا اظہار نہ کریں" یہاں یہ استثناء کیا گیا ہے کہ الا لبعولتھن او اباٸھن او اباء بعولتھن او ابناٸھن الخ یعنی "کسی کے سامنے اپنی زینت کا اظہار نہ کریں سوائے اپنے شوہروں کے یا اپنے باپوں کے یا اپنے شوہروں کے باپوں کے یا اپنی اولاد کے"۔ وغیرہ وغیرہ۔ یہاں پر زینت کی کوئی تفریق نہیں ہے کہ زینت ظاہر یا مخفی۔

اس سے کہ پہلی جگہ محارم کا کوئی استثناء نہیں ہے۔ اور دوسری جگہ محارم کا استثناء ہے تو زینت کی کوئی تفریق نہیں ہے

ہم اس نتیجہ تک پہونچتے ہیں کہ پہلی جگہ لا یبدین زینتھن سے مراد کسی دیکھنے والے سے پردہ نہیں ہے یعنی یہ مطلب نہیں ہے کہ دوسروں پر اپنے اعضائے زینت کا اظہار نہ کرو ورنہ محرم اور غیر محرم کی تفریق ضروری تھی بلکہ اس سے مراد اپنی جگہ پہ پردہ ہی بایں معنی کہ مسلمان عورتوں کو لباس کی ایک نوعیت تعلیم کی گئی ہے کہ تم کو ایسا لباس پہننا چاہیے جس میں اعضائے جسم چھپے رہیں اور یہاں پہ اعضائے ظاہر کا استثناء کیا گیا ہے جس کی تفسیر وجہ و کفین سے کی جاتی ہے۔ یعنی بس ہاتھ اور منھ کھلا رہے اور تمام اعضائے جسم ڈھکے رہیں۔

اس کے بعد پھر قرآن مجید نے اُس پردہ کی تعلیم دینا چاہی ہے جو عورتوں کو دوسرے مردوں کی نگاہوں سے کرنا چاہیے تو یہاں ضرورت ہوی محارم کے استثناء کی کیونکہ ان سے پردہ ضروری نہیں ہے۔ مگر اس مقام پر اعضا میں بھی کوئی تفریق نہیں کی گئی ہے کہ کس جزو کا چھپانا واجب ہی اور کس کا واجب نہیں ہی۔ اس سے معلوم ہوا کہ نامحرم سے پردہ میں عورت کے تمام اعضا کو چھپا ہوا ہونا چاہیے اور کوئی بھی مستثنیٰ نہیں ہے۔

یہ خیال کہ پردہ تو ہمیشہ دیکھنے والے ہی سے ہوتا ہے جب کوئی دیکھنے والا نہیں تو ایسے وقت میں کسی طرح کے پردہ

کی بھی کیا ضرورت ہے - درست نہیں ہے حقیقت یہ ہے کہ شریعت نے لباس کی ایک لازمی نوعیت مقرر کی ہے جو مردوں اور عورتوں کے اعتبار سے مختلف ہے - جس میں کسی دیکھنے والے کی موجودگی اور عدم موجودگی کا کوئی سوال نہیں ہے اور اس کے عملی ثبوت کا موقع ہے نماز کی حالت کہ انسان کے لیے نماز کی حالت میں جو ستر ضروری ہے اُس میں دیکھنے والے کی کوئی قید نہیں - بالکل تاریکی میں، اکیلے مکان میں، دروازوں کو ہر طرف سے بند کر کے بھی نماز پڑھنا چاہے تو ستر ضروری ہے - بغیر اس کے نماز باطل ہو گی - یہ ستر مردوں اور عورتوں میں مختلف ہے - مردوں کے لیے تو فقط اعضائے مخصوص کا چھپانا لازم قرار دیا گیا ہے لیکن عورت کے لیے یہ حکم ہے کہ سوائے چہرہ اور ہاتھوں اور اکثر علماء کے قول کے مطابق پیروں کی پشت کے اور کوئی حصّہ جسم کھلا ہوا نہ رہے - اس میں محرم اور نامحرم کا کوئی سوال نہیں ہے - یعنی اگر سب محرم ہوں بلکہ عورتیں ہی ہوں بلکہ وہاں کوئی موجود ہی نہ ہو تب بھی حالت نماز میں اتنا پردہ عورت کے لیے لازم ہے - معلوم ہوا کہ نظر قدرت میں عورت کے لباس کی یہ مقدار لازم ہے جو قطع نظر دیکھنے والے اور نہ دیکھنے والے کے اُس کے واسطے معین ہے جس طرح مردوں کے لیے ستر عورتین -

اب اس کے بعد یہ خصوصیت پیدا ہوتی ہے کہ عورتوں کو

نامحرموں سے پردہ کا خاص طور پر حکم دیا گیا ہے۔ یہ حکم مردوں کو نہیں ہے یعنی مردوں کو اس کا پابند نہیں کیا گیا ہے کہ تم نامحرم عورتوں سے پردہ کرو۔ لیکن عورتوں کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ تم نامحرم مردوں سے پردہ کرو۔ اب اگر یہ پردہ انہی اعضا کا ہوا جنکا بغیر کسی دیکھنے والے کی موجودگی کے بھی کم از کم حالت نماز میں ضروری تھا تو عورت کیلیے کوئی خصوصی امتیاز نہ ہوا۔ کیونکہ ایسے اعضاء کا جنھیں حالت نماز میں چھپانا چاہیے مردوں کو بھی پردہ لازم ہے محرم اور غیر محرم سب سے پھر اگر عورتوں کو بھی نماز ہی والے اعضاء کا چھپانا لازم ہوا تو کوئی خصوصی پردہ جو نامحرم کے لحاظ سے ہو عورت کے لیے کہاں ثابت ہوگا۔ معلوم ہوا کہ علاوہ اُس پردہ کے جو بجائے خود ضروری ہے جس میں وجہ وکفین عورتوں کے لیے مستثنی ہیں یہ نماز کے علاوہ حالتوں میں اگر صرف مستحسن یا افضل ہو تو حالت نماز میں واجب بلکہ شرط صحت ہے۔ عورتوں کے لیے ایک پردہ مخصوص نامحرموں سے لازم ہے۔ یہ وہ ہے جسے دوسری مرتبہ لا یبدین زینتھنّ کہہ کے الّا لبعولتھنّ وغیرہ کے استثناء کے ساتھ ذکر کیا ہے اور اس میں الّا ما ظھر منھا استثناء نہیں ہے۔ اس لیے اگر الا ما ظھر سے مراد وجہ وکفین ہوں تب بھی یہ نہیں ثابت ہو سکتا کہ نامحرم سے پردہ میں بھی کوئی جزو مستثنےٰ ہے۔ اگر ایسا ہوتا کہ نامحرم سے پردہ میں بھی وجہ وکفین مستثنیٰ ہوں تو ضرور یہ اُس موقع پر مذکور ہوتا کہ جہاں عورتوں کو مردوں کے

اوپر نظر کرنے سے اور مردوں کو عورتوں پر نظر کرنے سے منع کیا گیا ہے حالانکہ وہاں چہرہ اور دونوں ہاتھوں کا استثناء قطعاً نہیں ہے اور اسی لیے جو علماء عورت کے چہرہ اور ہاتھوں کو حرمت نظر سے مستثنیٰ قرار دیتے ہیں انھیں بھی مردوں کے ہاتھوں اور چہروں کو مستثنیٰ قرار دینے میں دشواری محسوس ہوئی ہے۔ چنانچہ مقدس اردبیلی رحمہ نے "زبدۃ البیان" میں فرمایا ہے: ھذا ظاھر فی نھی النساء عن النظر الی الاجانب اصلاً ورأسا ویؤیدہ خبر ابن ام مکتوم المشھور (یعنی) اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ عورتوں کو اجنبی مردوں پر نظر کرنا بالکل حرام ہے اور ابن ام مکتوم کی مشہور روایت بھی اس کی مؤید ہے۔"

فاضل ہندی نے کشف اللثام میں فرمایا ہے:۔

والحرمۃ مطلقا ھنا اقوی "یہاں بالکل نظر کا حرام ہونا بہت قوت رکھتا ہے۔"

پھر جبکہ عورتوں کا مردوں پر نظر کرنا مطلقاً حرام ہے اس لیے کہ آیت قرآن میں کوئی استثنا نہیں تو مردوں کے غیر عورتوں پر نظر کرنے میں چہرے اور ہاتھوں کو مستثنیٰ کیونکر قرار دیا جا سکتا ہے جبکہ آیت قرآن میں دونوں حکموں کا تذکرہ ایک ہی طرح کے الفاظ کے ساتھ ہے اور الا ما ظھر منھا کا استثناء جس موقع پر کیا گیا ہے وہاں غیر مردوں کا کوئی تذکرہ ہی قطعاً نہیں ہے۔

ایک دوسری توجیہ

جناب سید باقر صاحب قبلہ طاب ثراہ نے ایک اور توجیہ بھی
تحریر فرمائی ہے جو مستحق توجہ ہے - وہ فرماتے ہیں کہ پہلے ممانعت
ہوئی ہے ولا یبدین زینتھن " اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں "
ظاہر کرنے کے معنی ہیں بارادہ و قصد جسم کو نامحرم کے سامنے کھولنا
اس کے بعد ارشاد ہوا ہے الا ما ظھر منھا " مگر جو اعضاء ظاہر ہو جائیں "
" ظاہر ہو جائیں " سے کسی فعل ارادی کا پتہ نہیں چلتا بلکہ مطلب یہ
ہے کہ پردہ داری کی کوشش کے باوجود اگر اتفاقیہ کوئی حصہ جسم کھل
گیا تو گناہ نہ ہوگا - یہ ویسا ہے جیسے نگاہ میں پہلی نظر کو مستثنیٰ کیا
گیا ہے - یعنی اتفاقی نظر لیکن دوسری نظر یعنی جان کر پھر دیکھنا
حرام - ویسے ہی مثلاً عورت اتفاق سے یہ سمجھ کر کہ کوئی سامنے
نہیں نقاب ہٹائے ہوئے ہے اور اتفاق سے مرد آگیا تو نہ اُس کی
اس نگاہ میں گناہ اول نظرۃ والی حدیث کے مطابق اور نہ اُس کے
چہرہ کے کھلے ہونے میں گناہ الا ما ظھر کے مطابق - ہاں اگر اس کے
بعد پھر وہ دیکھے تو گناہگار (والنظرۃ الثانیۃ علیک) کی بناء
پر اور اگر یہ اس جاننے کے بعد کہ نامحرم سامنے ہے پردہ نہ کرے
تو یہ گنہگار (ولا یبدین زینتھن) کی بناء پر - اس کے معنی یہ ہیں
کہ الا ما ظھر منھا کی لفظ خود بے پردگی کے عمل میں کہ جو حرام ہے

کسی فرد کو خارج نہیں کرتی بلکہ وہ بے پردگی کی ایک ایسی صورت بتاتی ہے جس سے تعلق تکلیف ہو ہی نہیں سکتا اس لیے کہ وہ فعل اختیاری نہیں ہے۔ اصطلاحی طور پر اس صورت میں استثناء منقطع ہوگا مگر اس کے نظائر قرآن مجید میں موجود ہیں جیسے ولا تنکحوا ما نکح آباؤکم من النساء الا ما قد سلف (یعنی) "اُن عورتوں سے کہ جن سے تمھارے باپ نے کبھی تعلقات ازدواجی قائم کیے ہیں اس طرح کے تعلقات قائم نہ کرو مگر جو پہلے ہو چکا!" ظاہر ہے کہ حکم یا ممانعت جو بھی ہو وہ اس وقت سے آیندہ کے متعلق ہوا کرتی ہے۔ ماضی اختیار ہی میں نہیں ہوتا تاکہ اُس سے تعلق تکلیف ہو مگر چونکہ ایک فرض شناس انسان کو آیندہ کی ممانعت کے ساتھ یہ تصور ضرور پیدا ہوتا ہے کہ گزشتہ زمانہ میں جو ایسا ہو چکا اُس کے گناہ کو کیسے دفع کیا جا سکتا ہے تو اس لیے الا ما قد سلف سے اطمینان دلا دیا گیا کہ جو پہلے ہو چکا وہ معاف ہے اُس کا کوئی گناہ نہیں مگر اب ایسا نہ کرنا۔

اسی طرح دوسری آیت وان تجمعوا بین الاختین الا ما قد سلف "یہ امر ناجائز ہے کہ تم دو بہنوں کو ایک ساتھ نکاح میں رکھو مگر جو ہو چکا" اسکا یہ مطلب نہیں کہ جو ہو چکا وہ اب آیندہ کے لیے بھی جائز ہے۔ بلکہ یہ مطلب ہے کہ جو ہو چکا وہ ہو چکا اس کی سزا تم کو نہ دی جائے گی۔

علامہ طبرسی مجمع البیان میں فرماتے ہیں کہ اس کی نظیر عام روزمرہ میں یہ ہے کہ لا تبع من مالی الا ما بعت ولا تاکل الا ما اکلت " دیکھو میرے مال سے اب کچھ فروخت نہ کرنا مگر جو فروخت کر چکے اور اب نہ کھانا مگر بس پہلے جو کچھ کھا چکے "

اس طرح کے استثناء کی نظیر قرآن میں ایک یہ ہے کہ: لا یذوقون فیھا الموت الا الموتۃ الاولیٰ " اہل جہنم کو جہنم میں اب موت کا مزہ چکھنے میں نہ آئیگا مگر پہلی موت کہ جس کا مزہ چکھ چکے ہیں وہ تو خیر چکھ ہی چکے ہیں "

اسی طرح اس آیت میں جو محل بحث ہے لا یبدین زینتھن یہ سُنکر کہ جسم کا نامحرم کے سامنے کھلنا ناجائز ہے ایک فرض شناس خاتون کو یہ خیال پیدا ہو سکتا ہے کہ کبھی اتفاقی طور پر جو نامحرم کی نگاہ پڑ جاتی ہے اُس کا کیا ہوگا تو کہا گیا الا ما ظھر منھا " مگر اتفاقی طور پر جو ایسا ہو جائے اُس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ اُس کا کوئی گناہ نہیں ہے

اس سے یہ نتیجہ نہیں نکل سکتا کہ اختیاری طور پر کسی جزو بدن کا ظاہر کرنا نامحرم کے سامنے جائز ہے۔

احادیث متعلق زینت

زینت کی تفسیر میں جتنے اقوال ہیں وہ جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں۔

ایسے اشخاص سے منقول ہیں جو غیر معصوم ہیں اور وہ خود آپس میں اختلاف بھی رکھتے ہیں اس لیے ان کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ لیکن ایک حدیث قابل لحاظ ہے جو بطریق صحیح وارد ہوی ہے' وہ فضیل بن یسار النہدی کی روایت ہے امام جعفر صادقؑ سے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت سے کہنیوں کے نیچے کے حصے یعنی باہوں کے متعلق دریافت کیا کہ یہ بھی اُس زینت میں داخل ہے جس کے چھپانے کا اس آیت میں حکم ہے کہ ولایبدین زینتھن الا لبعولتھن حضرت نے فرمایا:

نعم وما دون الخمار من الزینۃ وما دون السوارین

"ہاں یہ زینت میں داخل ہیں اور خمار کے نیچے کا حصہ بھی زینت میں ہے اور کنگنوں کے نیچے کا حصہ بھی"۔

اس سے بعض ارباب فہم نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ چہرہ اور دونوں ہاتھ پردہ سے مستثنیٰ ہیں حالانکہ حدیث کے الفاظ سے غور کرنے کے بعد اس کے خلاف ظاہر ہوتا ہے۔

جناب سید باقر صاحب قبلہ نے اس پر بہت لبسیط بحث فرمائی ہے جس کا خلاصہ ذیل میں درج ہے۔

جہاں تک ہماری سمجھ میں آتا ہے خمار کے نیچے کے حصہ سے مراد چہرہ ہے اور کنگنوں کے نیچے کے حصہ سے مراد دونوں ہاتھ ہیں اور اس کے کہنے کی ضرورت امام کو اس لیے پڑی کہ اہل سنت میں یہ بات مشہور تھی کہ ماظہر سے مراد آیت میں چہرہ اور دونو

ہاتھ ہیں اور یہ پردہ سے مستثنیٰ ہیں۔ بظاہر سائل کے ذہن میں یہی چیز تھی جو اُس نے ذراعین یعنی باہوں کے متعلق سوال کیا۔ امام نے اُس کی غلط فہمی کا اندازہ فرماتے ہوئے اُس کے سوال کا جواب دیکر یہ اضافہ فرمایا کہ باہوں کا کیا ذکر، جسے عام لوگ مستثنےٰ سمجھتے ہیں یعنی خمار کے نیچے کا چہرہ اور کنگنوں کے نیچے کے ہاتھ یہ بھی مستثنےٰ نہیں ہیں اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ عام طور سے کلام عرب میں چہرہ کے متعلق دون الخمار اور دون القناعؑ ہی کے الفاظ صرف ہوتے ہیں جن کے معنی یہ ہیں کہ وہ مقنع اور خمار کے نیچے ہوتا ہے چنانچہ دیوان حماسہ کے ایک شاعر کا قول ہے:

فالقت قناعا دونہ الشمس واتقت

باحسن موصولین کف و معصم

(یعنی) "اُس حسینہ نے وہ مقنع پھینک دیا جس کے نیچے آفتاب تھا اور پردہ کیا دونوں انتہائی حسن کے ساتھ آپس میں ملے ہوئے ہاتھ اور کلائی کے ساتھ"

یہاں ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ آفتاب سے مراد چہرہ ہے اور اُسے شاعر نے دون القناع (مقنع کے نیچے) کہا ہے۔ اس لیے روایت فضیل میں بھی دون الخمار (خمار کے نیچے) سے مراد چہرہ ہی لینا چاہیے اور دوسرا مصرع اُس معنی کا شاہد ہے جو ہم نے دون السوارین میں قرار دیے ہیں کیونکہ معصم کے معنی ہیں

کلائی اور سوار کے معنی ہیں کنگن۔ معصم یعنی کلائی ہی محل سوار ہوتی ہے۔ اور شاعر کے قول سے ظاہر ہے کہ معصم سے متصل بس کفین ہوتے ہیں۔ ان کے درمیان کوئی دوسری چیز نہیں اس لیے دون السوارین دونوں کنگنوں سے نیچے صرف کفین قرار پاتے ہیں اور ان ہی کو امام نے فرمایا ہے کہ یہ زینت میں داخل ہیں۔

اگر ہم دون کے معنی لغوی پر غور کریں، تب بھی یہی نتیجہ نکلتا ہے اس لیے کہ دون کے ایک معنی پاس اور نزدیک کے ہوتے ہیں جیسا کہ علامہ زمخشری نے کشاف میں کہا ہے: معنی دون ادنی مکان من الشیٔ " دون کے معنی ہیں قریب ترین جگہ کسی چیز سے "۔ اسی اعتبار سے جمع کتب کو "تدوین" کہا جاتا ہے۔ کیونکہ اُس میں بعض اجزاء کتاب بعض سے قریب رکھے جاتے ہیں اور عرب کے روزمرّہ میں کہا جاتا ہے دونک هذا " لو یہ تمھارے پاس ہے "۔

خذہ من دونک " اپنے پاس سے لے لو "

بیضاوی اور فخر الدین رازی اور ابو السعود وغیرہ مفسرین نے بھی یہ معنی لکھے ہیں اور سید علی خان مدنی شارح صحیفۂ کاملہ نے بھی ان کو درج کیا ہے اور ایک جگہ تصریح کی ہے کہ یہی اس لفظ کے اصلی معنی ہیں۔ فیومی نے مصباح منیر میں کہا ہے: ھذا ادون ذلک کے معنی ہوتے ہیں اقرب منہ یعنی یہ اُس سے بہت

قریب ہے۔

اسی اعتبار سے امام موسیٰ کاظم ؑ کی سجدہ کی دعا میں ہے۔

یا من علا فلا شیئ فوقہ ویا من دنا فلا شیئ دونہ

"اے وہ خالق جو بلند ہے اتنا کہ اُس سے اونچی کوئی چیز نہیں اور نزدیک ہے اتنا کہ اُس سے نزدیک تر کچھ اور نہیں"

نماز عشاء کی تعقیب میں ہے: وانت الظاهر فلا شیئ فوقك وانت الباطن فلا شیئ دونك

یہاں بھی دُونَكَ کے یہی معنی ہیں کہ اے خالق تجھ سے نزدیک تر کوئی چیز نہیں

دوسرے معنی دُوْنَ کے ہوتے ہیں نیچے جیسا کہ فیروز آبادی نے قاموس میں لکھا ہے: دون بالضم نقیض فوق "دون فوق یعنی اوپر کے مقابل ہے"۔ متنبیؔ شاعر نے کہا ہے

بعض البریّۃ فوق بعض خالیا فاذا حضرت فکل فوق دون

(یعنی) "لوگوں میں بجائے خود بعض بعض سے اونچے ہیں مگر جب آپ سامنے آجائیں تو ہر اونچا پھر نیچا ہے"

یہاں نیچے کے معنی میں دون ہی کی لفظ استعمال ہوئی ہے۔

ابو العلاء معرّی نے کہا ہے:۔

قنعت فخلت انّ النجم دونی وسیّان التقنّع والجهاد

"جب میں نے قناعت سے کام لیا تو سمجھ لیا کہ ستارۂ ثریا مجھ سے نیچے ہے۔

اور نتیجہ بالکل ایک ہی خواہ انسان قناعت کرے اور خواہ جد و جہد سے کام لے۔"

تیسرے معنی دونؔ کے ہوتے ہیں کسی جگہ سے اس طرف یا اُس طرف کے۔ جیساکہ نہج البلاغہ میں امیرالمومنین ؑ نے خوارج کے بارے میں فرمایا:۔ مصارعھم دون النطفۃ "اُن کے قتل ہونے کی جگہ نہر کے اسی طرف ہے۔"

اور کافی میں ہے کہ جنگ نہروان کے موقع پر ایک سوار دوڑتا ہوا آیا اُس نے کہا یا امیرالمومنین فتح مبارک ہو دشمنوں کی جماعت تمام و کمال قتل ہوگئی۔ حضرت نے فرمایا من دون النھر او من خلفہ "نہر کے آگے یا اُس کے پیچھے" اُس نے کہا بل من دونہ "نہیں بلکہ نہر کے آگے"۔ حضرت نے فرمایا کذبت والذی فلق الحبۃ لا یعبرون ابداً "تو غلط کہتا ہے بخدا وہ نہر کے اُس پار نہیں جائینگے۔"

اس حدیث میں الفاظ کی جو ترتیب ہے اُس سے ظاہر ہوتا ہے کہ دونؔ "اُس طرف" کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

اور صحیفۂ کاملہ کی دعا میں ہے:۔ کانت عافیتک لنا حجابا دون ابصارھم

"تیری طرف کی سلامتی اُن کی آنکھوں کے سامنے ہم پر ایک پردہ کی حیثیت سے چھائی ہوئی تھی۔"

اب دونؔ کی لفظ کے ان معانی پر غور کیجیے اور دیکھیے کہ ہر ایک

معنی سے چہرہ کو دون الخمار کہنا درست ہے۔ اس لیے کہ یقیناً چہرہ خمار کے پاس ہوتا ہے، خمار کے نیچے ہوتا ہے اور خمار کے پیچھے ہوتا ہے لہٰذا جس اعتبار سے بھی دیکھیے دون الخمار سے چہرہ ہی کو مراد لینا درست ہے اور اسی لیے کلام عرب میں چہرہ کو تحت الخمار، دون الخمار بلکہ فی الخمار کہنا بھی شائع و ذائع ہے۔ یہ اشعار اس کے قبل قرآنی آیت ولیضربن بخمرھن علیٰ جیوبھنّ کے تحت میں بیان ہو چکے ہیں قاضی ابو علی تنوخی نے صاف کہا ہے نور الخمار و نور خدک تحتہ "خمار کی روشنی اور پھر اُس کے نیچے تیرے رخسار کی روشنی"۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ چہرہ خمار کے نیچے کہا جاتا ہے اور اب مادون الخمار کے معنی چہرہ کے سوا کیا ہو سکتے ہیں؟

الفاظ حدیث پر ایک مرتبہ اور غور کیا جائے تو سمجھ میں آئے گا کہ اگر امام کا مقصد یہ ہوتا کہ کنگنوں سے اوپر کا حصہ جو دونوں ہاتھ کے گٹوں سے اوپر ہے وہ زینت میں داخل ہے اور چہرہ کو چھوڑ کر جو سر و گردن کا حصہ ہے وہاں سے زینت کے حدود شروع ہوتے ہیں۔ تو حضرت کو واو عاطفہ درمیان میں لانے کی ضرورت نہ تھی۔ بلکہ جب سائل نے پوچھا کہ یا ہیں زینت میں داخل ہیں تو حضرت فرماتے نعم دون الخمار من الزینۃ و ما دون السوارین۔ ہاں خمار کے حصہ کو چھوڑ کر اور کنگنوں کو چھوڑ کر جتنا ہے وہ سب زینت میں داخل ہے۔ اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ آپ کلیہ بتا رہے ہیں جس

میں ذراعین یعنی دونوں باہیں بھی داخل ہو جائیں۔ اس صورت میں نعم وما دون الخمار کا حرف عطف کے ساتھ کہنے کا کوئی محل نہ تھا لیکن امام نے اس طرح نہیں فرمایا۔ بلکہ یہ کہا کہ "نعم وما دون الخمار من الزینة وما دون السوارین" ہاں اور (اسکے علاوہ) وہ کہ جو خمار کے نیچے ہے وہ بھی زینت میں داخل ہے اور جو کنگنوں کے نیچے ہے وہ بھی۔" اس "اور" کی لفظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کوئی ایسا کلیہ نہیں بتا رہے ہیں جس میں ذراعین بھی داخل ہو جاتے ہیں بلکہ ذراعین کے علاوہ دو اور اجزائے بدن کے پردہ کا حکم بتاتے ہیں جن کے متعلق توہم یہ ہوتا ہے کہ وہ پردہ سے خارج ہیں اور وہ چہرہ اور دونوں ہاتھ ہیں جن کے متعلق اہلسنت نے یہ سمجھ رکھا تھا کہ اُن کا پردہ لازم نہیں ہے تو حضرت نے اس شبہہ کو دفع فرماتے ہوئے یہ کہہ دیا کہ ذراعین کے علاوہ چہرہ اور ہاتھوں کا بھی پردہ لازم ہے۔

احادیث متعلق پردہ

جس طرح قرآن مجید سے پورے شد و مد کے ساتھ پردہ کی تاکید ثابت ہوتی ہے اُسی طرح معصومینؑ کے اقوال بھی اسکی اہمیت کا پتہ دیتے ہیں، یہاں تک کہ احادیث ہی کی بناء پر اس صنف کا نام ہی عورت ہو گیا ہے۔

لغۃً عورت اُس شے کو کہتے ہیں جس کا پردہ لازم ہو۔

چنانچہ مرد کے جسم میں وہ اجزا جنکا چھپانا ضروری ہے اسی نام سے یاد کیے جاتے ہیں اور ستر عورتین کہے جاتے ہیں مردمیں یہ مخصوص اجزا ہیں لیکن عورت از سرتاپا عورت قرار دی گئی ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ امتیازی حیثیت سے پردہ کی مستحق ہے۔ یہ حدیثیں ایک دو نہیں بلکہ استفاضہ کی حد سے متجاوز ہیں۔

(۱) کافی میں جناب امام جعفر صادق ؑ کا ارشاد ہے۔

اتقوا اللہ فی الضعیفین وانّما ھنّ عورۃ

"دونوں کمزور صنفوں کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہو (ایتام اور طبقۂ زنان)

اور یہ صنف تو بس عورت ہے اس کا چھپانا لازم ہے)

(۲) امالی شیخ الطائفہ امیر المومنینؑ کی روایت ہی جناب رسالتمآبؐ سے:۔

النّساء عیّ وعورات فداوو عیھنّ بالسکوت و عوراتھن بالبیوت

"صنف نازک خاموشی کا مجسمہ اور عورت ہی۔ ان کا تدارک یہی ہے کہ انھیں خاموش رہنے دو اور اُن کو گھروں کے اندر محفوظ رکھو

(۳) امیر المومنین ؑ فرماتے ہیں لاتبدأ والنسآء بالسّلام

ولا تدعوهنّ الی الطعام فانّ النبیؐ قال النسآء عیّ و عورۃ فاستروا عیّہنّ بالسکوت واستروا عورتہنّ بالبیوت

"عورتوں پر خود سے سلام نہ کرو اور انھیں دعوتوں میں مدعو نہ کرو اس لیے کہ پیغمبر نے فرمایا ہے کہ وہ ہمہ تن خاموشی اور عورت ہیں اُن کو چپ رہنا اور گھروں میں رہنا زیبا ہے"

کلمات علماؤ مفسّرین لفظ عورت کی اس تشریح پر متفق ہیں

لہ قیومی نے مصباح المنیر میں لکھا ہے: قیل للسوأۃ عورۃ لقبح النظر الیھا وکل شیئ یسترہ الانسان انفۃ وحیآء فھو عورۃ والنسآء عورۃ " انسان کے خاص اعضائے جسم کو عورت اس لیے کہتے ہیں کہ نظر اُس کی طرف نہ چاہیے اور ہر وہ شے جس کو انسان حمیت و غیرت کی بناء پر پردہ میں رکھے وہ عورت ہے اور اسی لیے صنف نسواں کو عورت کہا جاتا ہے"۔

فاضل ہندی صاحب کشف اللثام نے مناہج سویہ میں لکھا ہے:
"عورت عار سے مشتق ہے۔ اسے عورت اس لیے کہتے ہیں کہ اُس کا پردہ سے باہر آنا عار و ننگ کا باعث ہوتا ہے"۔

راغب نے مفردات میں لکھا ہے:۔

العورۃ سوأۃ الانسان وذلک کنایۃ واصلھا	عورت انسان کے مخصوص اعضاء کو کہتے ہیں اور یہ نام اُس کا بطور کنایہ

لہ یہ اقوال علماء کے تمام جناب سید باقر صاحب قبلہ نے اسداالغابہ میں درج فرمائے ہیں۔

من العار وذلك لما يلحق من ظهوره من العار ای المذمة ولذلك سمی النساء عورة ومن ذلك العوراء للكلمة القبيحة

ہو اصل میں یہ عار سے مشتق ہے چونکہ اس کا کھلنا انسان کے لیے عار یعنی ندامت کا باعث ہوتا ہے اسی لیے صنفِ نازک کا نام عورت ہوا اور اسی وجہ سے بری لفظ کو عوراء کہا جاتا ہے کہ اُسے زبان سے ظاہر نہ ہونا چاہیئے۔

ابن اثیر نے نہایہ میں لکھا ہے :-

ومنه الحديث المرأة عورة جعلها فی نفسها عورة لانها اذا ظهرت یستحیی منها کما یستحیی من العورة اذا ظهرت ۔

حدیث میں ہے کہ صنفِ نازک عورت ہے اُسے ہمہ تن عورت کہا گیا ہے اس لیے کہ اُس کی بے پردگی سے اُسی طرح حیا و خجالت دامنگیر ہوتی ہے جیسا جسم انسان کے اُن اعضاء کے ظاہر ہونے سے جو عورت ہیں ۔

علامہ طریحی نے مجمع البحرین میں اس کو زیادہ تشریح کے ساتھ لکھا ہے ۔ وہ کہتے ہیں حدیث میں ہے من تتبع عورة اخيه المسلم یعنی جو اپنے برادر مسلمان کی عورت کا پیچھا کرے یعنی اُس کے اُن اقوال و افعال کی جستجو کرے جنھیں اللہ نے پردہ میں رکھا ہے ۔ انسان کے مخصوص اعضائے جسم کو بھی عورت اسی لیے کہتے ہیں کہ انکی طرف نظر قبیح ہے اور جس شے کو انسان حمیّت و غیرت کے سبب سے

پردہ میں رکھے وہ عورت ہے اسی لیے حدیث میں طبقۂ نسواں کو
عورت کہا گیا ہے کیونکہ اُن کی بے پردگی ویسی ہی باعث شرم ہے
جیسے اپنے جسم کے لباس سے عورت کا ظاہر ہو جانا شرم کا باعث ہو
ایک اور حدیث میں ہے اللّٰھم استر عورتی و اٰمن روعتی
"خداوندا میرے لیے عورت کو چھپا اور خوف سے مجھے محفوظ رکھ۔"
یہاں عورت سے مراد ہر ایسی چیز ہے جس کا ظاہر ہونا انسان کے لیے
باعث خجالت ورنج ہو اور جس پر نظر کرنا وہ پسند نہ کرتا ہو"
صحیفۂ کاملہ میں فقرہ ہے فاجعل ما سترت من العورۃ،
اس کی شرح میں سید علی خاں مدنی نے بھی یہی لکھا ہے کہ عورت ہر وہ
چیز ہے جس کا پردہ سے باہر آنا باعث شرم ہے اور یہ عار سے مشتق ہو
اسلامی احادیث کی بنا پر اس طبقہ نسوانی کیلیے عورت کی لفظ
کا بطور لقب زبان زد خلائق ہو جانا اس طرح کہ تقریباً ہماری
اردو میں تو اس صنف کے لیے کوئی دوسرا نام اس کے سوا معلوم
ہی نہیں ہوتا یہ اس طبقہ کے لیے اسلامی تعلیم پردہ کی موجودگی کے
ثبوت کے لیے ایک عظیم الشان تواتر کی حیثیت رکھتا ہے۔ جس میں شک
وشبہہ کی ذرہ بھر گنجائش نظر نہیں آتی۔
(۴) قطب راوندی کی کتاب نوادر میں امام موسیٰ کاظم علیہ
السلام کی روایت ہے اپنے آبائے کرام کے سلسلہ سے کہ رسالتمآبؐ
نے اپنے اصحاب سے دریافت کیا صفت زنان کے متعلق کہ وہ

گیا ہیں سب نے کہا کہ وہ عورت ہیں۔ حضرت نے فرمایا اچھا پھر بتاؤ کہ وہ سب سے زیادہ اپنے رب سے قریب کس طرح ہو سکتی ہے۔ اس کا جواب لوگوں نے کچھ نہیں دیا۔ جب حضرت فاطمہ زہرا کو خبر ہوئی تو کہا:۔

ادنی ما تکون من ربھا ان تلزم قعر بیتھا

"سب سے زیادہ اللہ سے تقرب کا ذریعہ اُس کے لیے یہ ہے کہ پابندی سے اپنے گھر کے اندر رہے۔"

حضرت یہ جواب سنکر خوش ہو گئے اور فرمایا فاطمة بضعة منی "کیوں نہ ہو فاطمہ میرا ایک ٹکڑا ہے۔"

اس کے علاوہ کچھ احادیث ہیں جن میں صاف صاف حکم دیا گیا ہے کہ عورتوں کو پردہ میں رکھنا چاہیے جیسے امیر المومنینؑ کی وصیت اپنے فرزند حضرت امام حسنؑ سے جو نہج البلاغہ باب الکتب میں مذکور ہے اور جسے انسانی زندگی کے تمام شعبوں میں ایک مکمل دستور العمل کی حیثیت حاصل ہے اُس میں ارشاد ہوتا ہے:۔

فاکفف علیھن من ابصارھن بحجابک لھن فان شدۃ الحجاب ابقی علیھن ولیس خروجھن باشد من ادخالک من لا یوثق بہ علیھن وان استطعت ان لا یعرفن غیرک فافعل" عورتوں کو بچائے رکھو اس بات سے کہ اُن پر نظر پڑے پردہ میں رکھنے کے ساتھ اُن کو کیونکہ پردہ

میں سختی کا ہونا ان کے لیے باعث بہتری ہی ہے اور اُنکے گھروں سے نکلنے سے کم مضر نہیں ہے ایسے اشخاص کا گھروں میں آنے دینا جن پر تمھیں بھروسا نہیں ہے اور اگر ایسا کر سکو کہ تمھاری عورتیں تمھارے سوا کسی کو پہچانتی ہی نہ ہوں تو ایسا ہی کرنا چاہیے۔"

صدوق رحمہ اللہ نے اس وصیت کو محمد بن حنفیہ کے نام بتایا ہے۔ کافی میں اُسے ان الفاظ میں نقل کیا ہے:۔

واغضض بصرها بسترك واكففها بحجابك

"پردہ داری کے ذریعہ سے اُن کی نگاہوں کو دوسروں پر پڑنے سے روکو اور دوسروں کی نگاہوں سے اُن کو بچاؤ۔"

اسی پردہ داری کی بنا پر عورتوں کو عام مجمعوں میں جانے کی اجازت دینے سے مردوں کو سزائے اخروی کا مستوجب قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ کافی کی روایت ہے جسے بحار و وسائل میں بھی درج کیا ہے۔ جناب رسالتمآبؐ نے فرمایا:

من اطاع امرأة اكبه الله على وجهه في النار

"جو عورت کا کہنا مانے اللہ اُس کو منھ کے بھل جہنم میں ڈال دے گا۔" پوچھا گیا یہ اطاعت کیا ہے؟ حضرت نے فرمایا:۔

تطلب اليه الذهاب الى الحمامات والعرسات و العيدات والنائحات والثياب الرقاق فيجيبها

"وہ مرد سے خواہش کرے حماموں میں، شادیوں کی عام محفلوں

میں عیدگاہوں میں جانے اور باریک کپڑوں کے پہننے کی اور یہ اُس کی خواہش کو منظور کرے۔

ایک روایت میں یوں ہے کہ من اطاع امرأة فی اربعة اشیاء اکبّه الله علی منخریه فی النار

"جو عورت کا کہنا مانے چار باتوں میں اُسے اللہ منہ کے بھل جہنم میں ڈالیگا۔"

ایسی ہی حدیث ثواب الاعمال میں بھی درج ہے۔

اس پردہ داری کا اتنا اہتمام کیا گیا کہ زرخرید غلاموں تک کے سامنے آنے کی اجازت نہیں دی گئی۔ اور خواجہ سراؤں تک سے پردہ کا حکم دیا گیا۔

اور آخر زمانہ یعنی قیامت کے قریب کے علامات میں بے پردگی کی ترقی کی پیشین گوئی کی گئی جس سے صاف یہ پتہ چلا کہ پسندیدۂ اسلام پردہ داری کی ترقی ہے چنانچہ شیخ صدوق ابن بابویہ قمی کتاب من لا یحضرہ الفقیہ میں اصبغ بن نباتہ کی زبانی روایت کی ہے کہ امیر المومنینؑ نے فرمایا

یظهر فی آخر الزمان واقتراب الساعة وهو شر الازمنة نسوة کاشفات عاریات متبرجات خارجات من الدین داخلات فی الفتن مائلات الی الشهوات مسرعات الی اللذات مستحلات للمحرمات فی جهنم خالدات

"آخری دور زمانہ اور قیامت کے نزدیک اوقات میں جو بدترین زمانہ ہوگا عورتیں پیدا ہونگی بے پردہ برہنہ بن ٹھن کر نکلنے والی دین سے خارج ہنگاموں میں حصہ لینے والی اور نفسانی خواہشوں کی طرف رغبت رکھنے والی وہ آتش جہنم میں ہمیشہ جلنے کی مستحق ہونگی"

ظاہر ہے کہ متبرجات یعنی بن ٹھن کر اور آراستہ ہو کر نکلنے کے ساتھ عاریات کے معنی بالکل برہنہ کے سمجھ میں نہیں آتے بلکہ اس سے مراد وہی نیم برہنگی ہے جو آج تمدن جدید کا طرۂ امتیاز ہے جس میں اس تمدن کی ترقی کے ساتھ مزید ترقی کے امکانات ہیں۔

ان احادیث سے صاف شرع کے رجحان کا پتہ چلتا ہے جبکہ اسلام کے قبل پردہ کا وجود کم از کم مالدار، کم از کم شرفاء کم از کم بڑے گھرانوں میں ثابت ہو چکا ہے تو اگر اسلام جو کہ اصلاح خلق کا علمبردار ہو کر آیا ہے اگر پردہ کو ناپسند کرتا ہوتا تو پردہ کی مخالفت میں آواز بلند کرتا ہوتا اور اس کے نزدیک بدترین زمانہ کا معیار یہ ہوتا کہ جب مردوں کا تشدد عورتوں پر بڑھ جائے اور عورتوں کو گھروں میں مقفل کر کے رکھا جائے تو وہ بدترین زمانہ ہوگا مگر اس کے برعکس اسلام بدترین زمانہ کا معیار عورتوں کی آزادی، بے پردگی اور مطلق العنانی کو قرار دیتا ہے جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اس رسم پردہ کی جو کہ ایک طبقہ میں

پہلے سے قائم تھی مخالفت کا حامی نہیں ہے بلکہ اُس کی مزید ہمت افزائی کر کے اُس کے خلاف امکانات کا سدباب کرنا چاہتا ہے اور یہ اسلام کی جانب سے پردہ کی حمایت کی قطعی دلیل ہے۔

خاندان رسولؐ کا اُسوۂ حسنہ اور مسلمانوں کا عملدرآمد

یہ ظاہر ہے کہ اسلام کی انفرادی اور اجتماعی۔ منزلی اور مدنی تعلیمات کا مثالی معیار رسولؐ و آل رسولؐ کا اسوۂ حسنہ ہو سکتا ہے۔ قرآن کریم نے اس کو بطور مثال پیش بھی کیا (لقد کان لکم فی رسول اللہ اُسوۃ حسنۃ)

اور بحیثیت معلم پیغمبر کی بلندی کا جوہر یہ تھا کہ جن اصول پر اپنی تعلیم کی بنیاد قائم رکھنا تھی اور جن کی طرف دوسروں کو دعوت دینا تھی خود مقام عمل میں اُن اصول کے پابند تھے اور اس طرح پیغمبر اور اُن کے گھرانے کے عمل سے اُس نقطہ نظر کا بآسانی پتہ چلایا جا سکتا ہے جو اسلام کے پیش نظر ہے۔

اگر یہ خیال صحیح ہوتا کہ اسلام عورتوں کو آزادی بایں معنی دینا چاہتا ہے کہ پردہ کی پابندیوں سے وہ باہر لائی جائیں تو چاہیے تھا کہ اس کا عملی اقدام خود رسول کی جانب سے ہوتا نہ سہی ایک دم۔ اگر حالات اس کی اجازت نہ دیتے تو کم از کم بہ نسبت عام رواج کے وہاں خفت اختیار کی جاتی۔ جیسے

غلامی یک لخت ختم نہیں کی جا سکتی تھی تو اس کے لیے آزادی کی ترغیب میں اہتمام اور زر اسے بہا تہ پر غلاموں کے آزاد کرنے پر عمل اور غلامی کی حالت میں اُن کے ساتھ مساویانہ برتاؤ کی پابندی اور وصیت ایسی چیزیں ہیں جو صاف ایسے رجحان کا پتہ دے رہی ہیں کہ اسلام کا اصلی مطمح نظر کیا ہے۔

پھر اسی طرح اگر پردہ کو ختم نہ بھی کیا ہوتا تو اس کے متفرق تعلیمات اور عملی مثالوں میں وہ روح ضرور مضمر ملتی جو اس کی گرفت کے ڈھیلا کرنے کا اشارہ کرتی رہتی لیکن اس کے برخلاف اگر ہم یہ دیکھیں کہ جتنا عوام کو پردہ کا حکم دیا گیا ہے اُس سے زیادہ شدت اور قوت کے ساتھ اس کی پابندی خاندانِ رسالت میں کی جا رہی ہے اور جتنی اہمیت دوسروں کی نگاہ بلکہ تصور میں نہیں آسکتی اتنی اہمیت یہاں عمل میں لا کر اپنے طریقہ اور اصول زندگی سے پیش کی جا رہی ہے تو اس سے صاف طور پر یہ ظاہر ہو جائیگا کہ اسلام کا نصب العین کسی وقت اور کسی حال میں بھی پردہ کا ختم کرنا نہیں ہے بلکہ باعتبار ضرورت و حالات اُس میں اضافہ ہی اسلام کی بنیادی روح تعلیم کے مطابق ہے۔

تاریخ اور حدیث کا مطالعہ بتاتا ہے کہ زمانہ پیغمبر میں پردہ بحیثیت قانون کے عملی طور پر جاری ہو گیا تھا اور محرم اور نامحرم کی

تفریق کے ساتھ عمومی طور پر حجاب مسلمان عورتوں کے نظام زندگی کا جزو بنا دیا گیا تھا۔ بلکہ پردہ کی اہمیت ایسی تھی کہ مشتبہ صورتوں میں اگرچہ ظاہر شرع میں میراث دلوا دی گئی مگر محرم قرار دے کر سامنے آنے کی اجازت نہیں دی۔ ملاحظہ ہو زینب اسدیہ کی روایت جب انھوں نے رسول اللہ کی خدمت میں آکر عرض کی کہ جب میرے والد کا انتقال ہوا تو انھوں نے ایک کنیز چھوڑی جس کے یہاں ایک لڑکا پیدا ہوا اور اُس کنیز کے چال چلن کو ہمیشہ ہم لوگ مشکوک نگاہوں سے دیکھتے رہے تھے۔ حضرت نے فرمایا اُس لڑکے کو میرے پاس لاؤ۔ وہ لایا گیا۔ حضرت نے اُسے دیکھا اور فرمایا میراث میں اُسے حصّہ تو دیدیا جائے مگر تم اُس سے پردہ کرنا

(استیعاب مطبوعہ حیدرآباد ج ۲ ص ۷۵۶)

رسولؐ کے گھر کے لیے اس بارے میں زیادہ خصوصیت حاصل تھی۔ آپ کے ازواج کے لیے عمومی طور پر پردہ کے احکام کے علاوہ خصوصی احکام بھی تھے اور قرآن کریم نے عمومی طور سے ان کے لیے حجاب کا قانون نافذ کیا واذا سألتموھنّ متاعا فاسألوھنّ من وراء حجاب ذلکم اطھر لقلوبکم وقلوبھنّ

"جب ازواج پیغمبر سے تمھیں کچھ مانگنا ہو اکرے تو ان سے پردہ کے پیچھے سے مانگا کرو۔ یہ تمھارے دلوں اور ان کے دلوں کی پاکیزگی کے لیے زیادہ بہتر ہے"

طبرسی رحمہ اللہ جوامع الجامع میں فرماتے ہیں کہ اس حکم میں اتنی ہمہ گیر عمومیت تھی کہ باپ بھائی اور اقارب تک کو خیال پیدا ہوا کہ ہمیں بھی پس پردہ سے گفتگو کرنا ضروری ہے اور رسالتمآب سے اس کے متعلق دریافت کیا تو آیت اتری:۔

لاجناح علیھن فی اٰبائھن ولا ابنائھن ولا اخوانھن ولا ابناء اخوانھن ولا ابناء اخواتھن ولا نسائھن ولا ما ملکت ایمانھن واتقین اللہ ان اللہ علی کل شیئ شھید

"ان کے لیے کوئی مضائقہ نہیں ہے اپنے باپ بیٹوں بھائیوں بھتیجوں اور بھانجوں اور مسلمان عورتوں اور اپنی کنیزوں کے بارے میں۔ ہاں تقویٰ کو اپنا شعار رکھیں اللہ ہر بات سے واقف ہے۔"

اس آیت میں محارم کا تذکرہ کیا گیا اور اس کے بعد سب کو اطمینان ہوا۔

ازواج رسول عملاً اس قانون کی پابند تھیں۔ اس کے شواہد و نظائر تاریخوں میں بکثرت ہیں:۔

عائشہ ام المومنین کی روایت ہے (ایک واقعہ کے بیان میں)

انی لفی بیت رسول اللہ — میں حضرت رسول کے گھر میں تھی اور

واصحابہ بالفناء وبینی — آپ کے اصحاب صحن خانہ میں تھے اور

وبینھم الستر فاقبل — میرے اور ان کے درمیان پردہ پڑا

ابوبکر — ہوا تھا اس دوران میں ابوبکر

(استیعاب ج ۱ مطبوعہ حیدرآباد ص۳۷۱) وارد ہوئے۔

دوسری روایت جو صحیح بخاری میں بھی ہے انہی ام المومنین کی زبانی کہ سعد بن ابی وقاص اور عبد بن زمعہ (برادر ام المومنین سودہ) کے درمیان ایک لڑکے کے بارے میں جھگڑا ہوا۔ سعد نے کہا یہ میرے بھائی عتبہ بن ابی وقاص کا لڑکا ہے۔ اُس نے مجھے بتا دیا تھا کہ وہ میرے نطفہ سے ہے اور اسکی صورت دیکھیے اُسی سے مشابہ ہے۔ اور عبد بن زمعہ نے کہا یہ میرا بھائی ہے اس لیے کہ اس کی ماں میرے باپ کی زوجیت میں تھی۔ حضرت نے اُسے دیکھا تو صاف صاف عتبہ سے مشابہ نظر آیا پھر بھی آپ نے فیصلہ فرمایا کہ اُسے عبد بن زمعہ اپنے ساتھ لے جائے کیونکہ الولد للفراش وللعاھر الحجر یعنی "لڑکے کو اُسی کا سمجھا جانا چاہیے جو اُس عورت کا شوہر ہو اور زانی کا کوئی حق نہیں ہے" مگر سودہ بنت زمعہ کو حکم دیا کہ تم اس سے پردہ کرو۔ اس کے بعد سے کبھی اُس نے سودہ کو نہیں دیکھا

(اللمعات الفریدہ مطبوعہ بغداد ص۹۷)

زہری کی روایت ہے کہ جویریہ بنت حارث بن ابی ضرار بنی مصطلق کے قیدیوں میں سے اسیر ہو کر آئیں تو حضرت نے انھیں اپنی زوجیت میں داخل فرمایا اور پردہ کا حکم دیا۔

(استیعاب ج ۲ ص۷۳۲)

اصول کافی میں جناب امام جعفر صادقؑ کی حدیث ہے کہ ابن ام مکتوم جو نابینا تھے رسولؐ کے بیت الشرف میں حاضر ہوئے اُس وقت آپ کے پاس عائشہ اور حفصہ دو بی بیاں حاضر تھیں۔ حضرت نے فرمایا جاؤ کمرہ کے اندر چلی جاؤ۔ بی بیوں نے کہا وہ تو نابینا ہے۔ حضرت نے فرمایا وہ تمھیں نہیں دیکھ سکتا۔ تم تو اُسے دیکھ سکو گی۔

مکارم الاخلاق طبرسی کی روایت میں ہے کہ حضرت ام سلمہ اور میمونہ دونوں بی بیاں تھیں۔ حضرت نے فرمایا پردہ میں چلی جاؤ اُنھوں نے کہا یا رسول اللہ وہ تو اندھے ہیں نہیں دیکھ نہیں سکتے۔ حضرت نے فرمایا تم تو اندھی نہیں ہو تم تو دیکھو گی۔

کتب حدیث میں آپ کو حضرت پیغمبر خدا صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ حدیث ملے گی کہ احسنکم خیرکم لنسائہ وانا خیرکم لنسائہ۔ "تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو اپنی عورتوں کے لیے سب سے اچھا سلوک کرنے والا ہے اور میں اپنی ازواج کے ساتھ تم سب سے زیادہ اچھا سلوک کرنے والا شخص ہوں"

اس کے بعد اگر پردہ ظلم ہوتا یا توہین و تذلیل تو کبھی رسول اپنے ازواج کے لیے اسے پسند نہ فرماتے۔

اسی بنا پر طبقہ خواتین کے لیے رسول کے تعلیمات کی مکمل آئینہ بردار حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی سیرت پردہ کے

بارے میں ایک مکمل ترین معیاری درجہ رکھتی تھی۔ آپ کا قول تھا کہ عورت کے لیے بہترین صفت یہ ہے کہ نہ کسی غیر مرد کی نظر اُس پر پڑے اور نہ اُس کی کسی غیر مرد پر نگاہ پڑے۔

اسی کا نتیجہ ہے کہ پیغمبر کے زمانہ میں یہ چیز مسلّمات سے ہوگئی تھی کہ عورت کا نظام تمدّن مرد سے جدا ہے اور وہ پردہ کی پابندیوں کی وجہ سے اُن بہت سے فرائض اسلامی اور عبادات تک میں شریک نہیں ہوسکتی جن کے لیے گھر سے باہر آنے کی ضرورت ہے۔

اس کا ثبوت اس واقعہ سے ملتا ہے جب حج کے بعد جماعت انصار کی ایک محترم خاتون اسماء بنت یزید بن سکن پیغمبر کی خدمت میں آئیں اور عرض کیا کہ مجھے مسلمان عورتوں نے اپنا نمایندہ بنا کر بھیجا ہے اور جو کچھ میں کہتی ہوں وہ ان سب کی تقریر اور اُن کی رائے ہے۔ اللہ نے آپ کو مرد اور عورت سب کی طرف مبعوث کیا ہے۔ ہم آپ پر ایمان لائے اور آپ کا اتباع کیا مگر ہم عورتیں پردوں میں گرفتار گھروں کی بیٹھنے والیاں، مردوں کی خواہشوں کی پابند اور اُن کے بچوں کے بار کو برداشت کرنے کی ذمہ دار ہیں اور مردوں کو نماز جمعہ و جماعت، تشیع جنازہ۔ جہاد وغیرہ کے ثواب حاصل کرنے کے مواقع ہیں اور جب وہ جہاد کو جاتے ہیں تو ان کے

اموال کی حفاظت اور اولاد کی تربیت ہم کرتے ہیں۔ اس صورت میں ہمیں آپ سے یا رسول اللہ صرف یہ دریافت کرنا ہے کہ کیا اجر و ثواب میں مردوں کے ساتھ ہمارا بھی کوئی حصہ ہے یا مرد ہی سب ثواب کے حقدار ہیں۔

رسالت مآبؐ نے یہ تقریر سن کر اپنے اصحاب کی طرف دیکھا اور فرمایا تم نے کبھی کسی عورت کی گفتگو سنی ہے جس نے اپنے دینی فرائض کے متعلق اس سے بہتر سوال کیا ہو اصحاب نے کہا بخدا یا رسول اللہ اس میں کوئی شک نہیں۔

اب رسولؐ اس خاتون کی طرف متوجہ ہوئے فرمایا جاؤ! اے اسماء اور اپنی پوری جماعت کو اطلاع دیدو کہ تم میں سے ایک عورت کا اپنے شوہر کے ساتھ اچھے عنوان سے نباہ کرنا اور اس کی رضامندی کی کوشش کرتے رہنا اور اس کی اطاعت کرنا ثواب میں ان تمام عبادتوں کا قائم مقام ہے جن کا مردوں کے لیے تم نے ذکر کیا ہے۔ یہ سننا تھا کہ وہ عورت واپس ہوئی اس طرح کہ تکبیر و تہلیل کرتی جا رہی تھی اور جوش مسرت کا اظہار کر رہی تھی۔ (استیعاب ج ۲ ص ۷۲۶)

اپنے ذاتی خیالات کو علٰحدہ رکھ کر صبر و سکون کے ساتھ اس گفتگو پر غور کیجیے تو آپ بھی میری طرح اس نتیجہ تک پہونچیں گے کہ اگر تمدن اسلامی میں کوئی بھی گنجائش ہوتی عورت کو پردہ

سے باہر لانے اور مردوں کے دوش بدوش ہر شعبۂ حیات میں حصہ لینے کی تو رسولؐ کو اُس کے جواب میں ان امکانات کی طرف ضرور اشارہ فرمانا چاہیے تھا۔

اس کے برخلاف اُس نے مرد اور عورت کے نظام تمدن کے بالکل مختلف ہونے اور طبقہ خواتین کی آئینی و اصولی مجبوریوں کا جو خاکہ کھینچا تھا اُس میں آپ نے اُس کی سمجھ کی تعریف فرمائی اور اُن تمام مجبوریوں کو ایک طرح تسلیم کر لیا اور اُس پر مہر تصدیق ثبت فرما دی کہ بیشک عورتیں پردہ کی مجبوری کی وجہ سے نماز جمعہ و جماعت میں نہیں شریک ہو سکتیں تشییع جنازہ کی فضیلت کو نہیں حاصل کر سکتیں اور جہاد کے مراتب پر فائز نہیں ہو سکتیں۔ ہاں اس کے ساتھ آپ نے اُسے یہ کہہ کر تسکین دی کہ عورتوں کا اپنے نظام تمدن کا پابند رہنا ہی درحقیقت اُن کا جہاد ہے اور اس سے ان کو وہی اجر و ثواب مل جائیگا جو مردوں کو اپنی قسم کے جہاد سے ملتا ہے۔

اس کے بعد تو کوئی موقع نہیں یہ کہنے کا کہ اسلام میں پردہ کی کوئی اہمیت نہیں ہے یا وہ مردوں کے دوش بدوش عورتوں کو میدان عمل میں لانے کا حامی ہے۔

زن اجنبیہ کی طرف نظر کرنے کی حرمت صحابۂ رسولؐ

میں اتنی مسلّم ہوگئی تھی کہ اگر کوئی اُس کے خلاف عمل کرتا تو اُس پر اعتراض کیا جاتا اور اُسے اپنے طرزِ عمل کی تاویل پیش کرنا پڑتی تھی۔ چنانچہ سہل بن ابی خثمہ کا بیان ہے کہ میں محمد بن مسلمہ کے پاس بیٹھا تھا اس اثناء میں اُن کے ایک ہمسایہ مکان سے ثبیتہ بنت ضحاک برآمد ہوی۔ وہ نظر اٹھا کر اُس کی طرف دیکھنے لگے تو میں نے کہا ماشاء اللہ تم صحابی رسولؐ ہو کر ایسا کرتے ہو؟ اُنھوں نے کہا میں پیغمبر کا یہ ارشاد سُن چکا ہوں کہ اگر دل میں کسی کی خواستگاری کا سوال پیدا ہو تو اُس کی طرف دیکھنا جائز ہے۔ (استیعاب ج ۲ ص ۱۳۱)

رسولؐ کے بعد خواتین اسلام میں اور بالخصوص خاندان رسولؐ کی خواتین میں بہ تعلیم قرآن جلباب یعنی سر سے پاؤں تک کے برقعہ کا رواج ہوگیا تھا جس سے چہرہ بھی بالکل چھپا ہوا رہتا تھا اور کسی ایک حصّۂ جسم پر بھی کسی کی نظر پڑنا ممکن نہ تھی۔ اس کے شواہد جستہ جستہ تاریخ اسلامی کے واقعات میں موجود ملتے ہیں مثلاً اُس وقت جب امیر المومنینؑ جنگ جمل کے لیے تشریف لیے جا رہے تھے اور منزل ذی قار میں اترے تو ام المومنین عائشہ نے بصرہ سے حفصہ کے پاس ایک خط بھیجا جس میں اپنی فوجی طاقت و قوت اور معاذ اللہ جناب امیرؑ کے مرعوب و خائف ہونے کا ذکر تھا۔ حفصہ نے اُس پر ایک

جشنِ مسرّت منعقد کیا۔ مدینہ کی عورتیں آ رہی تھیں اور خوشیاں کی جا رہی تھیں۔ یہ واقعہ حضرت ام کلثوم دختر امیر المومنینؑ کو معلوم ہوا فلبست جلابیبھا و دخلت علیھنّ فی نسوۃ متنکرات ثم اسفرت عن وجھھا فلما عرفتھا حفصۃ خجلت و استرجعت

جناب ام کلثوم نے برقع و چادر میں اپنے کو نہاں کیا اور کچھ عورتوں کے حلقہ میں حفصہ کے مکان پر پہونچکر برقع چہرہ سے ہٹایا۔ جب حفصہ نے پہچانا تو وہ شرمندہ ہوئیں اور آپ کی گفتگو سے متاثر ہو کر اُس خط کو چاک کر ڈالا۔ (الدرجات الرفیعہ سید علی خاں مدنی)

یہ ۳۶ھ کا تذکرہ ہے۔ ۶۱ھ میں کربلا کا عظیم الشان واقعہ رونما ہوتا ہے جس میں حضرت امام حسینؑ نے جس طرح تمام اسلامی تعلیمات کی اہمیت دنیا کو سمجھائی اُسی طرح پردہ کے اصول اور عورتوں کے اسلامی نظام تمدن کی وہ مستحکم بنیاد قائم کردی جسے شکوک و توہمات کی آندھیاں متزلزل نہیں کرسکتیں۔

یہ تو ظاہر ہے کہ کربلا میں حق و باطل کی جنگ تھی۔ نصرتِ دین کا سوال تھا اور دشمنانِ اسلام کا مقابلہ تھا۔ کوئی شک نہیں کہ حمایتِ حق اور نصرتِ دین جس طرح مردوں کا فریضہ

ہے اُسی طرح عورتوں کا فریضہ ہے مگر طریقہ کار اس کا دونوں کے لیے یکساں ہونا چاہیے یا مختلف؟

موجودہ تمدن جو عورتوں کو پردہ وغیرہ کی پابندیوں سے آزاد کرنا چاہتا ہے اُس کا جواب یہ ہونا چاہیے کہ طریق کار دونوں کا ایک ہی۔ جس صورت سے مرد نصرت حق کے لیے میدان میں آتا ہے اُسی طرح عورت کو بھی آنا چاہیے خصوصاً ایسی صورت میں جبکہ مردوں کی تعداد اتنی نہ ہو کہ وہ ظالم کی مادّی قوت کا خاتمہ کر سکیں۔ اور خصوصاً اُس حالت میں جب مرد اپنا کام انجام دے کر گزر چکے ہوں اور اب سوائے عورتوں کے کوئی باقی نہ ہو۔ ایسی حالت میں تو مرد و عورت کے درمیان کوئی خط فاصل کھینچنا موجودہ خیالات کے لحاظ سے صحیح ہی نہ ہوگا مگر یہ ایک حقیقت ثابتہ اور ناقابل انکار واقعہ ہے کہ حضرت امام حسینؑ نے جو اپنے وقت میں اسلامی اقدار و مراتب کے تحفظ کے واحد ذمہ دار تھے کربلا کے میدان میں پردہ اور مخصوص نسوانی نظام تمدن کی وہ اہمیت ثابت کی ہے جو اس کے پہلے وہم و خیال میں بھی نہیں تھی۔

آپ دیکھیے تو کہ ایک طرف کم از کم تیس ہزار کا لشکر اور ایک طرف زیادہ سے زیادہ ڈیڑھ سو کے قریب مجاہدین جن میں ضعیف العمر بوڑھے بھی اور صغیر السن بچے بھی داخل۔

بوڑھے جہاد بالسیف سے مستثنیٰ نہیں رہے قاسم کے ایسے نابالغ بچے
مستثنیٰ نہیں رہے مگر عورتیں جہاد بالسیف سے اس سخت وقت پر
بھی مستثنیٰ رکھی گئیں۔ کوئی بہادر عورت جیسے ام وہب زوجہ
عبداللہ بن عمیر عمود لے کر میدان میں آ بھی گئی تو امام حسین
علیہ السلام نے یہی کہہ کے واپس فرمایا کہ عورتوں پر سے جہاد
ساقط ہے۔ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ حضرت زینب الکبریٰ اور
ام کلثوم میں جرأت و شجاعت کا جوہر ام وہب سے کم
تھا۔ مگر کوئی ضعیف سے ضعیف روایت ایسا نہیں بتاتی کہ
ان میں سے کسی مقدس خاتون نے اس طرح کا اقدام کیا
ہو، کیوں؟ اس لیے کہ نظام اسلامی جو عورت کے ہے وہ
ان کے دل و دماغ میں راسخ تھا۔ یہ ایسا ارادہ کر ہی نہیں
سکتی تھیں۔ زینب و ام کلثوم کا کیا ذکر جو رسول کے گھرانے
کی بیٹیاں تھیں۔ ام لیلیٰ، رباب اور مادر قاسم ایسی خواتین
نے بھی جو صرف اس خاندان کے ساتھ بہو ہونے کا رشتہ
رکھتی تھیں قدم آگے نہیں بڑھایا۔ اس سے ہرگز یہ نہیں سمجھنا
چاہیے کہ معاذ اللہ ان کے دل میں نصرت اسلام کا ولولہ
اور جوش نہ تھا ضرور تھا مگر یہ سمجھتی تھیں کہ ہمارے لیے اسلامی
نظام تمدن میں ایسا کرنا روا نہیں ہے۔

بڑے سخت مواقع تھے وہ جب کوئی کڑیل جوان میدان

ہیں مصروفِ جہاد ہے، کوئی کمسن بچہ معرکۂ قربانی میں حقِ وفا ادا کر رہا ہے، کوئی جان سے زیادہ عزیز بھائی نرغہ میں گھرا ہوا ہے اور اُس وقت ماں ممتا رکھنے والی ماں، اور دل و جان سے فدا ہونے والی بہن پردہ کی پابندی کے ساتھ خیمہ کے اندر بیٹھی ہوئی ہے مگر واقعہ یہی تھا۔

یاد کیجیے وہ سخت ترین موقع کہ جب تمام عزیز و انصار شہید ہو چکے تھے۔ اکیلے امام نرغۂ اعدا میں گھرے ہوئے زخموں سے چور اور آخر میں بجائے پشتِ فرس کے زمین گرم پر افتادہ تھے اور دشمن چاروں طرف سے گھیرے ہوئے سر کو قلم کرنے کے لیے بڑھ رہے تھے۔ کیا اگر اُس وقت خاندانِ بنی ہاشم کی تمام خواتین تلواریں لے کر فوجِ دشمن پر ٹوٹ پڑتیں اور امام حسینؑ کو اپنے حلقہ میں لے لیتیں تو سرِ حسینؑ آسانی سے قلم ہو جاتا۔

کون کہہ سکتا ہے کہ اُس وقت کربلا کی تاریخ کس صورت پر لکھی گئی ہوتی۔ مگر ایسا نہیں کیا۔ کیوں؟

کیا زینب و ام کلثوم کی رگ و پے میں وہی خون گردش نہیں کر رہا تھا جو ابوالفضل العباس بلکہ خود حسینؑ کی رگ و پے میں گردش کر رہا تھا۔

کیا حضرت علی ابن ابیطالبؑ کی شجاعت و جرأت میں

بیٹیوں کا کچھ بھی حصہ نہیں تھا۔ نہیں ہرگز ایسا نہیں ہے۔
مگر کیا تھا؟ وہی جان، بھائی اور اولاد سب سے
زیادہ عزیز اصول اسلام کا لحاظ جو زنجیر بن کے ان دردرسیدہ
بےکس بی بیوں کو آخر تک جکڑے رہا۔
سب کچھ ہو گیا مگر وہ اسی جگہ بیٹھی رہیں کہ جہاں
حضرت امام حسینؑ بٹھا گئے تھے اس وقت تک کہ جب تک
وہ جگہ یعنی خیمے باقی رہے۔ ہاں جب خیموں میں آگ کے شعلے
بلند تھے اور ظالموں کے ہاتھ سروں کی چادروں ہی کو نشانۂ
ظلم بنائے ہوئے تھے تو ناموس اسلام کی خاطر ظاہری عزت
ناموس کی قربانی کے سوال کو عملی طور پر حل کرنے کی ضرورت
تھی جس میں اُن کے قدم پیچھے نہیں رہے۔
اب اس وقت انھیں بھائی بیٹوں اور عزیزوں کے
تمام داغوں سے بڑھ کر داغ جو تھا وہ بے پردگی کا داغ تھا
اور جب زردِ دل کے اظہار کا وقت آیا تو تمام مصائب میں
شدت و قوت کے ساتھ اسی مصیبت کا اظہار کیا گیا۔ اُس
موقع پر جب ثانی زہرا حضرت زینب سلام اللہ علیہا کو دربار
میں خطبہ پڑھنے کی ضرورت پیش آئی تو یہ یادگار زمانہ الفاظ
تاریخی دنیا میں پردہ کی اہمیت کا ابدی ثبوت بن کر آپ
کی زبان پر آرہے تھے:۔

امن العدل یا ابن الطلقاء تخدیرک حرائرک وامائک و سوقک بنات رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ سبایا قد ھتکت ستورھن وابدیت وجوھھن یتصفح وجوھھن القریب والبعید والدنی والشریف

"کیا یہی انصاف ہے کہ تو نے اپنی عورتوں اور کنیزوں کو پردہ میں بٹھا رکھا ہے اور دختران پیغمبر خدا کو قید کر کے بے پردہ پھرایا، اور چہروں کو بے نقاب کیا ہے۔ غضب ہے کہ نزدیک و دور کے لوگ اور پست و بلند ہر طرح کے آدمی اُن کے چہروں پہ نظر ڈالتے ہیں"۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ ثانی زہرا حضرت زینب کبریٰ اپنی سب سے بڑی مصیبت اس بے پردگی کو سمجھتی تھیں اور اُس کا خصوصی طور پر آپ نے تذکرہ فرمایا۔

آل رسول کے اس اہتمام کا نتیجہ یہ تھا کہ پردہ کا قانون تمام مسلمانوں میں مستمر رہا اور بعد کی صدیوں میں برابر اس پہ عمل ہوتا رہا۔

چوتھی صدی ہجری تک میں پردہ نہ صرف غریب اور متوسط طبقہ میں رائج تھا جو عموماً مذہب کے زیادہ پابند ہوتے ہیں بلکہ اُمراء و اہل دولت میں بھی اُس کا رواج عام تھا اور وہ معیار شرافت سمجھا جاتا تھا۔

اس کا پتہ ابو الفراس حمدانی کے اشعار سے چلتا ہے۔ جو خود خاندان ملوک سے اور اُس وقت کے بلند طبقہ کے تمدنی رجحانات کا ترجمان ہے۔

وہ کبھی یوں کہتا ہے :-

وما انس لا انس یوم المغار   محجبۃ لفظتہ الحجب

"مجھے وہ دن نہیں بھولتا جب ہنگامۂ جنگ میں پردہ دار عورت کو پردہ سے باہر نکلنا پڑا۔"

کبھی اپنی بیٹی کو وصیت کرتے ہوئے یوں کہا :-

نوحی علیّ بحسرۃ   من خلف ستر کِ والحجاب

"مجھ پر حسرت واندوہ کے ساتھ اپنے پردہ و حجاب کے پیچھے بیٹھ کر ہی نوحہ کرتی رہنا۔"

کبھی محل تشبیب میں بلند نسوانی تمدن کی تصویر کشی یوں کی ہے :-

وادیبۃ اختر تھا عربیۃ   تعزی الی الجد الکریم الاکرم

محجوبۃ لم تبتذل امارۃ   لم تأتمر مخدومۃ لم تخدم

"وہ مہذب اور تربیت یافتہ عربی خاتون مجھے پسند ہے جو بزرگ مرتبہ باپ دادا کی طرف نسبت رکھتی ہے۔ پردہ دار ایسی کہ جو کبھی گھر سے باہر نہیں نکلی حکمرانی کرنے والی جو کسی کی محکوم نہیں بنی۔ دوسروں سے خدمت لینے والی جسے خود خدمت کرنا نہیں پڑی۔"

اس سے صاف ظاہر ہے کہ پردہ میں رہنا اُس وقت عورت کی ذلّت نہیں بلکہ عزت کی نشانی سمجھا جاتا تھا۔"

چھٹی صدی ہجری میں شاہان روزگار کی عورتیں اور ملکۂ آفاق بننے والی خواتین تک سختی سے پردہ کی پابند تھیں۔

ابن جبیر اپنے سفرنامہ میں اپنے سفر حج کا تذکرہ کرتے ہوئے سلجوقہ نامی ایک شاہزادی کا حال لکھا ہے جس کے باپ عزّالدین مسعود کے حدودِ مملکت اُس وقت کی چار مہینہ کی راہ کے رقبہ میں تھے اور جسے بادشاہ قسطنطنیہ جزیہ ادا کرتا تھا۔ وہ ہودج میں بیٹھی ہوئی تھی جس پر طلاکار پردے آویزاں تھے اور ہودج کے آگے اور پیچھے دروازے کھلے ہوئے تھے وھی ظاھرة فی وسطہ متنقبة وعصابة ذھب علیٰ راسھا وہ اُس ہودج کے بیچ میں بیٹھی ہوئی سب کو نظر آتی تھی مگر چہرہ پر نقاب پڑی تھی اور ایک طلاکار رومال نقاب کے اوپر سے اُس کے سر پر بندھا ہوا تھا

معلوم ہوا کہ اُس زمانہ میں پردہ کی اتنی پابندی تھی کہ سفر کے عالم میں اور سواری پر بھی جبکہ آج کل کی بعض پردہ دار خواتین بھی پردہ ضروری نہیں سمجھتیں اور اپنے شہر کے اسٹیشن سے ریل کے چلتے ہی وہ پھر برقعہ اُتار دیتی یا کم از کم نقاب اُلٹ دیتی ہیں اور بعض ہمارے والیان ملک کی بیویاں

اپنے شہر میں پردہ کرتی ہیں مگر غیر ملک میں جا کر پردہ الٹ دیتی ہیں اور اپنی بے پردہ تصویریں اخباروں میں شائع ہونے کو بھی ناپسند نہیں کرتیں بلکہ شاید حسن و جمال کی تعریف کے ساتھ ان تصویروں کی اشاعت کو اپنے لیے باعث فخر سمجھتی ہیں - مگر ملک عرب کی ایک ملکہ بحالت سفر میں بھی اپنے چہرہ پر نقاب ڈالے رکھنا اپنا فرض سمجھتی تھی -

ساتویں صدی ہجری میں پردہ کی ہمہ گیری مسلمانوں میں اتنی تھی کہ علامہ حلی رحمہ اللہ تذکرۃ الفقہاء میں فرماتے ہیں :-

لاتفاق المسلمین علی منع النساء من ان یخرجن سافرات -

" تمام مسلمان اس بات پر متفق ہیں کہ عورتوں کو کھلے ہوئے چہروں کے ساتھ باہر نہیں نکلنے دیتے "

گیارھویں صدی ہجری تک برابر یہ عملدرآمد اسی ہمہ گیری کیساتھ رہا - اس لیے فاضل ہندی تاج الدین حسن بن محمد اصفہانی نے کشف اللثام میں یہ الفاظ لکھے :-

الاطباق فی الاعصار علی المنع من خروجھن سافرات وانما یخرجن مستترات

" ہر زمانہ میں اس عملدرآمد پر اتفاق رہا ہے کہ عورتیں کھلے چہروں کے ساتھ گھر سے نہ نکلیں ، وہ نکلتی ہیں تو پردہ کی پابندی

کے ساتھ ۔ اس کے بعد سے آخری صدیوں کا عملدرآمد تقریباً
یا حقیقتہً ہماری آنکھوں کا دیکھا ہوا ہے ۔
یہ ہر زمانہ کا پابند شرع مسلمانوں کا عملدرآمد خود ایک
قطعی ثبوت ہے اس کا کہ پردہ نظام اسلامی کا ایک جزو اور
تمدن مذہبی کا ایک ضروری اصول ہے اور اسی لیے پابند مذہب
مسلمان ہمیشہ اُسکے پابند رہے ہیں

پردہ کی چوتھی قسم

یہی نقطہ ہر سب سے موزوں جگہ ہے کہ یہاں پردہ کی چوتھی
یعنی چاردیواری کے پردہ کے متعلق ایک واضح تبصرہ کردیا
جائے ۔

اس کی تشریح کی جا چکی ہے کہ اس پردہ سے مراد ہے ایک
ایسا حاجب و حائل جس کی وجہ سے نہ صرف جسم کا رنگ
اور سطح نگاہ سے مخفی ہو بلکہ شکل و مقدار کا بھی اندازہ نہ
ہو سکے یعنی یہ بھی نہ معلوم ہو سکے کہ عورت لانبی ہے یا ٹھگنی
موٹی ہے یا دبلی ۔ سڈول جسم رکھتی ہے یا ناہموار بلکہ بسا اوقات
پردہ ہی نظر آئے یہ بھی پتہ نہ چلے کہ اس کے اندر کوئی ہے
بھی یا نہیں ۔ اس میں چاردیواری کے علاوہ ڈولی فینس اور
پہلے کا پردہ یا پردہ دار گاڑی وغیرہ بھی داخل ہے

اس پردہ کی پابندی صرف ہمارے ہندوستان کے صوبۂ یوپی کے شہروں میں شرفاء کے طبقہ کے اندر ہے۔ تمام عالم اسلامی، عراق و حجاز و ایران اور خود ہندوستان کے یوپی کے علاوہ دوسرے صوبوں میں اور یوپی میں بھی دیہاتوں کے اندر اکثر و بیشتر اور شہروں میں غیر شرفاء کے مسلمان طبقوں میں اسکا رواج اُسوقت بھی نہیں رہا جبکہ مذہب کی پابندی زوروں پر تھی اب کا ذکر نہیں جبکہ یوپی کیا لکھنؤ کے عام شرفا کیسے بعض معزز سادات کے گھرانے کی عورتیں تک پردہ کو بالکل خیرباد کہہ کے آزاد ہو چکی ہیں اور بیگم کے بجائے لیڈی کہلانا باعث اعزاز سمجھ رہی ہیں موجودہ پردہ کے مذہبی دنیا میں عام طور سے رائج نہ ہونے اور صرف اُس محدود حلقہ میں رائج ہونے کی بنا پر بسا اوقات اُسے غیر شرعی پردہ کہا جاتا ہے اور شرعی پردہ سے مراد لیا جاتا ہے وہ تیسری قسم کا پردہ جو صرف برقع یا چادر اور اعزا کے سامنے جیسے پردہ کرانا منظور بھی ہے اکثر صرف ڈوپٹہ کی آڑ سے سمجھ لیا جاتا ہے کہ پورا ہو گیا۔ حالانکہ اس سلسلہ میں یقیناً حدّ شرعی کی خلاف ورزی ہے کہ یہ پردہ ایسے باریک ململ کے ڈوپٹہ سے بھی ہو جاتا ہے جو حقیقۃً ساتر نہیں یعنی اُس کے اندر سے شکل و شمائل نظر آتی ہے مگر اسے بھی بیچاری بے زبان شرع کے سر منڈھ کر کہہ دیا جاتا ہے

کہ شرعی پردہ مگر میں اس شرعی و غیر شرعی کی موجودہ اصطلاح سے متفق نہیں ہوں۔ میرے نزدیک وہ یوپی کے شرفاء والا پردہ بھی غیر شرعی نہیں ہے، شرعی ہے مگر فرق اتنا ہے کہ برقع و چادر والا پردہ کم از کم اور ناگزیر درجہ پردہ کا ہے جس کے بغیر پردہ کی پابندی ہو ہی نہیں سکتی اور یہ چار دیواری کا پردہ ایک بلند درجہ ہے جس کا حکم شرع میں موجود ہے مگر سب پر اس کی پابندی فرض نہیں ہے۔

دوسرے لفظوں میں وہ پردہ واجب ہے اور یہ پردہ مستحب ہے۔ لیکن اگر نماز فرادیٰ کے کافی ہو جانے سے نماز جماعت غیر شرعی نماز نہیں قرار پا سکتی تو تیسری قسم والے پردہ کے کافی ہونے سے چوتھی قسم کا پردہ غیر شرعی پردہ نہیں کہا جا سکتا۔

یہ پردہ امہات المومنین یعنی ازواج رسول کے لیے ایک فریضۂ مخصوص کی حیثیت رکھتا تھا بلکہ ان کے واسطے یہ خصوصیت خاص تھی کہ وہ اپنے گھروں سے باہر کہیں جائیں ہی نہیں اور حتی الامکان اپنے مکان کی پابند رہیں انھیں حکم تھا کہ "قرن فی بیوتکن" اپنے گھروں کے اندر بیٹھی رہو۔ قرن کی لفظ بعض لوگ وقار سے مشتق قرار دیتے ہیں۔ مگر علامہ ابو البقاء رعنذی نحوی متوفی ۶۱۶ھ نے

تصریح کی ہے کہ اُسے اگر قِرن پڑھا جائے ق کے کسرہ کے ساتھ تو وقار کے معنی ہو بھی سکتے ہیں۔ لیکن قَرن بفتح قاف پڑھنے کی صورت میں جو مشہور اس کی قرات ہے وہ صرف قرار سے مشتق ہو سکتا ہے۔ (التبیان فی اعراب القرآن)

شربینی مفسّر نے لکھا ہے قرن کے معنی ہیں "اسکنّ وامکثن دائما" ساکن رہو اور ٹھہرو ہمیشہ" بعض ازواج مقدساتؐ نے اس کی اتنی پابندی کی کہ حج اور عمرہ مستحبی کو ترک کر دیا جناب سودہ سے کسی نے پوچھا آپ حج اور عمرہ کو نہیں جاتیں اُنھوں نے کہا کہ حج اور عمرہ تو میں پہلے کر چکی ہوں اب مجھے اللہ کا حکم یہ ہے کہ میں اپنے گھر میں برقرار رہوں۔ میں تو اپنے گھر سے نکلوں گی نہیں جب تک دنیا سے رخصت نہ ہوں گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ سودہ اپنی زندگی بھر اپنے حجرہ سے نہیں نکلیں۔ یہاں تک کہ مرنے کے بعد جنازہ بس حجرہ سے باہر آیا۔ (سراج منیر صفحہ ۲۲۹)

بضعۃ الرسول حضرت فاطمہ زہرا صلوات اللہ علیہا نے کمال نسوانی کی منزل جس سے عورت اپنے رب سے تقرب حاصل کر سکتی ہے اسی کو قرار دیا فرمایا ادنی ما تکون من ربھا ان تلزم قعر بیتھا " بہترین درجۂ تقرب حضرت باری کا اُسے یوں حاصل ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے گھر کے اندر رہنے کی پابند رہے

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حجاب کا بلند درجہ جو سب ہی عورتوں کے لیے پسندیدہ ہے وہ یہی ہے۔

چنانچہ عورتوں کے لیے بند رکھے جانے اور گھروں کے اندر رہنے کا حکم عمومی حیثیت سے وارد بھی ہوا ہے۔ جیسے کافی کی حدیث امام جعفر صادق ؑ سے جس میں فرمایا ہے فاحبسوا نساءکم یامعاشر الرجال "اپنی عورتوں کو بند رکھو" ایسے ہی الفاظ علل الشرائع کی حدیث میں ہیں ایک حدیث میں ہے فحصنوهن فی البیوت "گھروں میں قلعہ بند رکھو انھیں"۔

کچھ حدیثوں میں باختلاف الفاظ اس طرح ہے کہ النساء عیّ وعورة فاستروا عیهنّ بالسکوت واستروا عوراتهن بالبیوت "صنف نازک سرتاپا عورت یعنی چھپانے کی چیز ہے اس لیے ان کو گھروں میں پوشیدہ رکھو"

ان احادیث کا تذکرہ پہلے ہو چکا ہے اور لفظ عورت کی تشریح بھی کی جا چکی ہے۔

ان تمام احادیث سے ظاہر ہے کہ عورت کے لیے سب سے بہتر پردہ گھر کی چار دیواری کا ہے اس کے بعد گھر سے باہر نکلنے کی صورت میں پردہ کا یہ معیار کہ قد و قامت بھی نظر نہ آئے اس کی بنیاد قائم فرمائی سیدۃ نساء العالمین حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا نے جب آپ مرض الموت میں ایک روز

غیر معمولی طور پر متفکر نظر آئیں اور اسماء بنت عمیس نے سبب دریافت کیا۔ حضرت نے فرمایا کہ اے اسماء مجھے یہاں کے جنازہ اٹھانے کا دستور اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ عورت کی میت کو بھی تختہ پر اٹھایا جاتا ہے جس سے قدو قامت اس کا نظر آتا ہے اسماء اس سے پہلے چونکہ حضرت جعفر طیار کے حبالہ عقد میں تھیں اور اُن کے ساتھ ہجرت اولیٰ میں حبشہ گئی تھیں۔ اُنھوں نے کہا کہ میں نے ملک حبشہ میں ایک طریقہ جنازہ کے اُٹھانے کا دیکھا ہے۔ میں وہ آپ کو بنا کر دکھاؤں گی غالباً آپ اُسے پسند فرمائیں گی۔ چنانچہ اسماء نے تابوت کی ایک شکل بنا کر سیدہ عالم کو دکھائی۔ آپ نے اُس کو بہت پسند فرمایا اور اپنے والدِ بزرگوار جناب سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے بعد کسی نے آپ کو ہنستے نہ دیکھا تھا۔ آج اتنا خوش ہوئیں کہ تبسم فرمانے لگیں اور کہا اسماء تم نے میرے پردہ کا انتظام کیا۔ اللہ روز قیامت تمھارا پردہ رکھے۔

آپ کی وصیت کے مطابق آپ کی نعش تابوت میں اُٹھائی گئی۔

اس کے بعد ہرگز نہیں کہا جا سکتا کہ اس طرح کا پردہ جو قدو قامت کو بھی مخفی کر سکے غیر شرعی پردہ ہے ہاں جو کچھ بھی ہے وہ اتنا کہ مقدار واجب سے وہ

زیادہ ہے اور تمام عالم اسلام میں عموماً جو پردہ رائج ہے وہ شرعی حیثیت سے واجب مقدار سے ہے جس میں کمی کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

مخالف شبہات تاویلات اور اُنکا جواب

مذکورہ بالا دلائل کی موجودگی میں کوئی شخص جو ذرا بھی گوش وہوش رکھتا ہو وہ اس کی جرأت نہیں کر سکتا کہ اسلام میں بالکلیہ پردہ کے وجود کا انکار کرے۔ اس کے بعد اُن لوگوں کا ذکر نہیں جو مذہبی تعلیمات کی پابندی ہی کو عار و ننگ سمجھتے ہیں اور کھلم کھلا مذہب سے بغاوت کا اعلان کرتے ہیں اُنھیں اس کی ضرورت ہی نہیں کہ وہ اپنی آزادی میں مذہب کی آڑ لیں اور آیات و احادیث کی تاویل ضروری سمجھیں، اور یہ لوگ حقیقت میں کم خطرناک ہیں مگر وہ لوگ جو اپنی آزادی کے ساتھ ساتھ مذہبی پابندی کا ادعا بھی نہیں چھوڑنا چاہتے وہ ایسے مسائل میں شاذ علماء کے اقوال اور نادر تفاسیر اور توجیہات و تاویلات کو ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر نکالتے اور اُن سے پردہ کے خلاف اپنی مقصد برآری کی کوشش کرتے ہیں۔ ایسے لوگ سادہ لوح افراد مذہب کے ڈگمگانے کا باعث ہو سکتے ہیں اور اسی لیے زیادہ خطرناک ہیں۔ اس لیے ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ ان شبہات اور توجیہات و تاویلات

کو درج کر کے اُن کا استیصال کر دیا جائے

پہلا شبہہ | علماء قائل ہیں کہ چہرہ اور دونوں ہاتھوں کا کھولنا جائز ہے۔ اس لیے پردہ کا اُٹھایا جانا قابل اعتراض نہیں ہے۔

اس کے جواب میں عرض ہے کہ تھوڑے سے، بہت سے اور بہت سے بھی زیادہ کوئی درجہ ہو تو علماء، مفسرین یا محدثین کے اقوال تو کوئی شرعی سند بن ہی نہیں سکتے کیونکہ وہ غیر معصوم ہوتے ہیں اور غیر معصوم ایک یا ہزار یا دس کرور کوئی بھی غلطی سے مستثنی نہیں ہے جبکہ اس کے برخلاف بہت سے اکابر علماء اور محققین چہرہ اور ہاتھوں کے استثناء کے قائل نہیں ہیں۔

شیخ صدوق ابو جعفر محمد بن علی بن الحسین بن موسی بن بابویہ قمی رحمۃ اللہ متوفی سنہ ۳۸۱ھ مقنع میں۔ شیخ مفید ابو عبد اللہ محمد بن محمد النعمان متوفی سنہ ۴۱۳ھ مقنعہ (مطبوعہ طہران صفحہ ۲۸۲) میں۔ شیخ الطائفہ ابو جعفر محمد بن حسن طوسی متوفی سنہ ۴۶۰ھ نہایہ میں۔ ابن ادریس حلی متوفی ۵۹۸ھ سرائر میں علامہ ابن شہر آشوب متوفی ۵۸۸ھ اپنی کتاب متشابہات القرآن میں آیۃ اللہ العلامہ علی الاطلاق الشیخ بن یوسف بن مطہر حلی متوفی ۷۲۶ھ تذکرۃ الفقہاء (ج ۲ مطبوعہ ایران) میں۔ اُن کے فرزند فخر المحققین محمد بن الحسن بن یوسف الحلی متوفی سنہ ۷۷۱ھ ایضاح میں۔ شیخ جمال الدین مقداد بن عبد اللہ سیوری حلی

متوفی ۷۹۲ھ کنز العرفان میں۔ فاضل ہندی ضیاء الدین محمد بن الحسن الاصفہانی متوفی ۱۱۳۷ھ کشف اللثام میں۔ اور پھر شیخ الفقہاء شیخ محمد حسن نجفی متوفی ۱۲۶۶ھ اپنی مشہور کتاب جواہر الکلام میں سرکار آقا سید کاظم طباطبائی متوفی ۱۳۳۷ھ بطور احتیاط وجوبی اور ہمارے سب سے بڑے استاد میرزا محمد حسین نائینی طاب ثراہ حاشیہ عروۃ الوثقیٰ میں اسی کے قائل ہیں اور ہمارے استاد جناب سید باقر صاحب قبلہ متوفی ۱۳۴۶ھ اپنی کتاب اسدار الرغاب فی مسئلۃ الحجاب صرف اسی کے اثبات میں تحریر فرمائی ہے

محقق حلیؒ صاحب شرائع کا شمار اس فہرست میں اگرچہ عام طور پر اس سے پہلے نہیں کیا گیا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ موصوف بھی چہرہ اور ہاتھوں پہ پہلی نظر کو جائز سمجھتے ہیں اور دوسری نظر کو وہ بھی حرام کہتے ہیں ملاحظہ ہو شرائع الاسلام مطبوعہ ایران صفحہ ۱۴۹

یجوز۔ ان ینظر الی وجھہا وکفیہا علی کراھیۃ فیہ ولا یجوز معاودۃ النظر " یعنی چہرہ اور ہاتھوں پہ نظر کرنا مکروہ ہے اور دوبارہ نظر ڈالنا ناجائز ہے "

اس کے معنی یہ معلوم ہوتے ہیں کہ بے پردہ عورتیں جو سامنے آتی ہیں اُن پہ نظر پڑنے سے راستہ وغیرہ چلنے کی حالت میں تحفظ واجب نہیں ہے لیکن پہلی دفعہ نگاہ پڑنے کے بعد نظر کا ہٹا لینا لازم ہے اور دوبارہ نظر چہرہ پہ بھی جائز نہیں ہے۔

اس کو زیادہ صاف طریقہ پر علامہ حلی رحمہ نے اپنی کتاب قواعد میں ان الفاظ میں کہا ہے۔ ولا یحل النظر الی الاجنبیۃ الا بضرورۃ کالشہادۃ علیہا ویجوز الی وجہہا وکفیہا مرۃ لا ازید

"غیر عورت کی طرف نظر کرنا جائز نہیں ہے مگر کسی ضرورت کی بنا پر جیسے گواہی دینے کے لیے اور چہرہ اور ہاتھوں پر بس ایک مرتبہ نظر جائز ہے۔ اس سے زیادہ نہیں"

یہی شہید اول محمد بن مکی عاملی۔۔ اور شہید ثانی شیخ زین الدین عاملی رحمہ اللہ کا مختار ہے

شرح لمعہ اور شرح لمعہ میں انہوں نے یہ لکھنے کے بعد کہ یجوز النظرۃ الی وجہ امرأۃ یرید لکاحہا "نظر کرنا اس عورت کے چہرہ پر جائز ہے کہ جس سے شادی کرنا مقصود ہو لکھا ہے دیختظ الجواز بالوجہ والکفین" کے ساتھ مخصوص ہے"

شارح نے اس کے شرائط کے ذیل میں فرمایا ہے۔ ومباشرۃ المرید بنفسہ فلا یجوز الاستنابۃ فیہ وان کان اعمی

"جو شادی کرنا چاہتا ہے وہ بس بذات خود نظر کر سکتا ہے۔ دوسرے کو اپنا قائم مقام نہیں بنا سکتا یہاں تک کہ اگر خود نابینا ہو تب بھی دوسرے کو نائب نہیں بنا سکتا۔"

اس سے ظاہر ہے کہ چہرہ پر نظر کرنا عام حالات میں حرام ہے اور چہرہ پردہ سے مستثنیٰ نہیں ہے۔

اس کے بعد شہید اول متن میں اور شہید ثانی شرح میں فرماتے ہیں ولا ینظر الرّجل الی المرأۃ الاجنبیۃ وھی غیر المحرم والزوج والامۃ الا مرّۃ واحدۃ من غیر معاودۃ فی الوقت الواحد عرفا

"انسان غیر عورت کی طرف کسی ایک موقع پر بس ایک دفعہ دیکھ سکتا ہے۔ پلٹ کے پھر دیکھنا جائز نہیں ہے۔" (شرح لمعہ، طبع عبد الرحیم ج ۲ ص ۵۴)

زمانہ قریب کے علماء میں سے آقا شیخ احمد آل کاشف الغطاء نے اپنی کتاب سفینۃ النجاۃ میں اسی قول کو اختیار کیا ہے لایحل للرّجل النّظر الی الاجنبیۃ ولا للمرأۃ النظر الی الاجنبی الا الوجہ والکفین مرۃ واحدۃ من غیر معاودۃ (ج ۲ مطبوعہ نجف اشرف ص ۳۵۴)

یہ تو علماء کے اقوال ہیں اور حقیقت میں شرعی سند کسی مسئلہ میں صرف کلام الٰہی اور کلام معصوم ہے اور اس سے بلاشبہہ پردہ کا وجوب ثابت ہے۔

آیت قرآنی میں الا ماظھر منھا کے معنی چہرہ اور ہاتھ قرار دینا صرف انسانی دماغ کا ایک اختراع ہے۔ حالانکہ کلام الٰہی میں

اعضائے جسمانی سے یہ استثنا ہرگز نہیں بلکہ زینت سے استثنا ہی اور زینت ہیں باطنی زینت وہ ہی جس کے اظہار سے جسد کا اظہار ہوتا ہی اور اوپر کی زینت وہ ہی جس کے اظہار سے جسد کا اظہار نہیں ہوتا اس لیے اس سے جسم کے کسی ایک حصے کے بھی کھلنے کا جواز ہرگز ثابت نہیں ہوتا اس پر تفصیل سے بحث کی جا چکی ہے یہ ماظہر کی تفسیر چہرہ اور ہاتھ کے ساتھ اصل میں عطا ضحاک اور اوزاعی کی تفسیر ہے جن کا قول مسائل شرعیہ میں ہمارے نزدیک ذرہ بھر وقعت نہیں رکھتا۔ خود کتب اہلسنت میں جلیل القدر صحابی عبد اللہ بن مسعود کا قول یہی ہے کہ ماظہر سے مراد اوپر کے کپڑے ہیں۔ ابن مسعود کی قرات اور ان کے فقہی اقوال زیادہ تر آل رسول علیہم السلام کے موافق ہوتے ہیں اسی قصور پر انھیں استبدادی قوتوں کے ہاتھ سے جسمانی و روحانی تکالیف بھی برداشت کرنا پڑے۔ اس لیے اُن کا قول ہمارے نزدیک حقیقت امر اور مراد الٰہی سے زیادہ قریب ہے۔

قریب بتواتر احادیث جن میں مطلق طور پر نظر الی النساء کو موجب فتنہ، موجب فساد اور "سہم من سہام ابلیس مسموم" (شیطان کا زہر میں بجھا ہوا تیر) اور باعث ہزار اور گناہ بتایا گیا ہے۔ اور پہلی نگاہ کو جو اتفاقی طور سے پڑ جائے جائز کہتے ہوئے دوسری نگاہ کی سختی سے ممانعت کی گئی ہے۔ اُن سب میں کہیں اس استثنار کا پتہ نہیں ہے اور چونکہ عورت پر نظر کرنے کے الفاظ

کو سن کر سب سے پہلے جو مفہوم ذہن میں آتا ہے وہ چہرہ پر نظر ڈالنا اس لیے دوسرے اعضا و جوارح پر نظر کی ممانعت کے بارے میں وہ صرف ایک طور اطلاقی کا درجہ رکھتا ہو مگر چہرہ پر نظر کی ممانعت کے بارے میں اُسے نص کا درجہ حاصل ہوگا اور کسی طرح چہرہ کو اس حکم سے خارج سمجھنا درست نہیں ہوسکتا۔

اس کا ایک صریحی ثبوت حضرت زینب کا ارشاد ہے جس کا تذکرہ اس کے پہلے خاندان رسولؐ کے اسوۂ حسنہ کے ذیل میں ہو چکا ہے۔ دربار یزید میں اپنے مصائب کے اظہار کے موقع پر آپ نے ارشاد فرمایا قد هتکت ستورهنّ وابدیت وجوههنّ " تو نے اہلبیت رسولؐ کی پردہ دری کی اور ان کے چہروں کو کھول دیا۔ اور پھر فرمایا یتصفح وجوههنّ القریب والبعید والدّنی والشریف " نزدیک و دور کے لوگ اور پست و بلند درجہ کے افراد اُن کے چہرہ پر نظر ڈال رہے ہیں۔" ظاہر ہے کہ حضرت زینب سلام اللہ علیہا شارع اسلام کے خاندان کی ایک فرد ہیں جہاں شرعی حدود کی مخالفت تمام باتوں سے زیادہ قلب کے لیے باعث تکلیف اور روح کے لیے سبب اذیت ہو سکتی ہے بقول جناب سید باقر صاحب قبلہ کے " اگر چہرہ اور ہاتھوں کا کھلنا شرعاً جائز ہوتا اور اجنبی مردوں کی نظر کا ان اجزائے جسم پر پڑنا درست ہوتا لیکن سر اور بالوں کا کھلنا نامحرموں کے

سامنے ممنوع ہوتا جیسا کہ مخالفین کا قول ہے تو یقیناً سر اور بالوں کا بے پردہ ہونا حضرت زینب کے نزدیک چہرہ کے بے نقاب ہونے سے زیادہ تکلیف دہ ہونا چاہیے تھا اور مقتضائے بلاغت یہ تھا کہ مقام ذکر مصائب اور احتجاج میں اس کا تذکرہ کیا جاتا لیکن جبکہ صدیقہ صغریٰ نے بجائے سر اور بالوں کے چہرہ کا تذکرہ کیا تو اس سے ظاہر ہے کہ چہرہ کا پردہ شریعت اسلام کا ضروری جزو ہے اور چہرہ پہ نظر پڑنا ایک پردہ دار عورت کی بڑی توہین ہے۔ (اسدالرغاب صـ۴۵)

حقیقت میں پردہ کی تشریع کا مقصد یعنی نفس امارہ کے رجحانات کو جو حسن نسوانی کی مقناطیسی کشش سے ہو سکتے ہیں روکنا یہ بھی چہرہ کے پردہ ہی سے حاصل ہو سکتا ہے۔ اگر چہرہ کو پردہ سے مستثنیٰ کر دیا جائے تو پھر پردہ کا کوئی مفہوم ہی نہیں رہتا اور جبکہ ہم قرآن اور سنت متواترہ سے یہ بہر حال ناقابل انکار طور پر دیکھ رہے ہیں کہ پردہ کا قانون اسلام میں ضرور ہے اور اس پر زور دیا جا رہا ہے تو اسی سے ہم کو یہ سمجھنا چاہیے کہ اس حکم کا تعلق چہرہ کے ساتھ ضرور ہے۔

چہرہ تو حقیقت میں جمال صورت کا نقطۂ مرکزی ہے۔ چشم و ابرو اور خد و خال، ناوک نظر اور تیر مژگاں، تکلم، تبسم، اشارہ اور نگاہ ہر کرشمہ کا تعلق اسی "جنت نگاہ" سے ہے۔ شاعروں کی

اصطلاح میں سر کے بال چاہے "دام" اور زنجیر کا کام دیدیتے ہوں مگر قاتل اور صیاد بننے کا تعلق نگاہ ہی سے ہے۔

عربی شاعر متنبی نے نا گزیری محبت کے اظہار میں یوں کہا ہے:-

تناهی سکون الحسن فی حرکاتها
فلیس لرائی وجهها لم یمت عذرا

"جنبشوں میں اُسکے حسن کا رکھ رکھاؤ انتہائی درجہ پر پہونچ گیا بس اُس کے چہرہ کو دیکھ کر جو مر نہ جائے اُس کے پاس کوئی عذر نہیں ہے"

اُس نے بھی مرنے کا سبب چہرہ کا دیکھنا قرار دیا ہے "بالوں" کا یا "سر" کا دیکھنا نہیں۔

کسی دوسرے شاعر نے یوں کہا:-

وعینان قال اللہ کونا فکانتا فعولین بالالباب ما تفعل الخمر

"وہ دو آنکھیں جو اللہ کے اشارہ کُن سے پیدا ہوئیں اس شان کی ہیں کہ عقل و ہوش کے ساتھ شراب کا سا سلوک کرنے والی ہیں"

میر تقی میر کا یہ شعر بھی یاد کر لیجیے۔

میر اُن نیم باز آنکھوں میں ساری مستی شراب کی سی ہے

اس صورت میں یا تو شریعت اسلام میں پردہ کا تخیل ہونا ہی نہیں چاہیے۔ پھر قرآن سے ان آیتوں کو نکال دیجیے

جیسے و اذا سألتموھن متاعاً فاسألوھنّ من وراء حجاب " (اے مسلمانو) تمھیں ازواج رسول سے کچھ مانگنا ہو اکرے تو پردے کے پیچھے سے مانگا کرو "۔

حالانکہ ازواج رسول کو امہات المومنین کا درجہ دیدیا گیا تھا اور اُن کو امت کے افراد کے لیے حرام مؤبّد قرار دیدیا گیا تھا اگر وہ پردہ سے مستثنی ہوتیں تو دوسروں کے لیے نظیر قائم نہ ہوتی لیکن جبکہ اس کے باوجود اُن کے لیے پردہ کا حکم دیا گیا تو صاف ظاہر ہے کہ دوسری عورتیں پردہ سے مستثنی نہیں ہو سکتیں۔

جیسے ولا یبدین زینتھنّ " اپنی آرائش کو ظاہر نہ کریں "۔ جب چہرہ ہی کھل گیا تو دوسری آرائش ظاہر ہوگی تو کیا ہوگا جیسے یا ایھا النّبی قل لازواجک وبناتک و نساء المؤمنین یدنین علیھن من جلابیبھنّ " اے رسول اپنی بی بیوں سے کہو ' اپنی خاندان کی لڑکیوں سے کہو اور تمام مسلمانوں کی عورتوں سے کہو کہ سر سے پیر تک چادر میں نہاں ہو کر نکلا کریں "۔

حالانکہ ادنا ء جلباب کے معنی ہی ہیں چہرہ کا چھپانا جس کے شواہد پہلے تفصیل سے آ چکے ہیں۔

یقیناً ان تمام آیات کو قرآن سے اُس صورت میں کہ

جب چہرہ کھلے خزانے نامحرموں کے سامنے لانا جائز سمجھا جائے خارج کر دینا چاہیے۔ اور ان احادیث کے دفتر کو بھی دریا برد کر دینا چاہیے جن میں عورتوں پر نظر ڈالنے کو منع کیا گیا ہے، سبب فتنہ بتایا گیا ہے اور اس کے بُرے نتائج سے ڈرایا ہے۔ مگر جبکہ نہ قرآن سے وہ آیتیں نکل سکتی ہیں۔ نہ احادیث کو فنا کیا جا سکتا ہے تو مسلمان رہتے ہوئے ماننا پڑیگا کہ اسلام میں پردہ کا نظام موجود ہے اور پردہ کا کوئی مفاد حاصل نہیں ہو سکتا جب تک چہرہ چھپانا لازم نہ ہو اس لیے ماننا پڑیگا کہ چہرہ کا پردہ ضرور واجب ہے اور اس کے خلاف جو توہمات ہیں وہ صرف عدم تدبر یا سہولت پسندی کا نتیجہ ہیں۔

لطف یہ ہے کہ مذہبی دنیا جو عملاً پردہ کی پابند رہی ہے اُس نے ہمیشہ چہرہ کو پردہ کا مرکز سمجھا ہے بلکہ ہمارے شرفا کے گھروں کے "شرعی پردہ" میں جو عزیزوں کے ساتھ ہوتا ہے جب چادر سے یا ڈوپٹہ کا پردہ کیا جاتا ہے تو چاہے پان دیتے میں یا اور کسی ضرورت سے ہاتھ کلائی بلکہ کہنی تک کھل جائے چاہے پیر اتفاق سے باہر رہ جائے مگر چہرہ کو چھپائے رکھنے کی کوشش کی جاتی ہے حالانکہ شرعاً یہ صورت بھی قابل اعتراض ہے "شرعی پردہ" یعنی اوّل درجہ وجوب میں جسم کا کوئی حصہ بھی کھلا نہیں رہنا چاہیے مگر مجھے یہ دکھانا ہے کہ پابندان مذہب کے طبقہ میں عملی طور پر چاہے

وہ کسی عالم کے مقلد ہوں مگر عملی طور سے چہرہ کے پردہ کی سب سے زیادہ اہمیت محسوس کی گئی ہے اور کبھی اختلافی مسائل کی طرح ایسا نہیں ہے کہ کچھ علماء کے مقلدین اپنے عالم کے فتوے کی بناء پر چہرہ کو پردہ سے مستثنیٰ سمجھ لیں مگر آج اس استثناء والے قول سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں وہ لوگ جو تمدن مغربی کی رو میں بہہ کر پردہ کے اٹھانے کے درپے ہیں۔ وہ مذہبی طبقہ کے اعتراض کے مقابل میں اس استثناء کی سپر لیکر اٹھتے ہیں حالانکہ تمدن مغربی کو اختیار کر کے ہندوستانی فیشن کی آمیزش کے ساتھ عملی طور پر کیا ہوگا۔ وجہ وکفین (چہرہ اور ہاتھوں کا) اٹھانا فقط؟ توبہ

نہیں جناب ہاتھ کہنیوں تک نہیں بلکہ شانوں تک اور کسی ضرورت سے ہاتھ اونچا کرنے کی شکل میں ڈھیلی آستینوں کی جتنی وسعت ہو اس کے لحاظ سے اور آگے تک۔ کنپٹیاں۔ کان سر۔ گردن۔ بال جتنے بھی بربنائے فیشن رکھے گئے ہوں پشت کا اوپر کا حصہ۔ سینہ جس حد تک فیشن کے حدود متقاضی ہو جائیں گے۔ پنڈلیاں اور لڑکیوں کے لیے (جو نو برس کی ہو چکنے کی وجہ سے شرعی طور پر بالغ بھی ہو چکی ہوں) گھٹنے اور رانوں کا بہت سا حصہ بھی۔ اس سب کے جواز کے لیے تنکے کا سہارا "چہرہ اور ہاتھوں" کا استثناء جس کے بعض علماء قائل ہیں یا بعض شاذ

اور غیر معمولی روایات ہیں جس کا پتہ چلتا ہے۔ کیا یہ اپنی لا مذہبیت کو مذہب کے آڑ میں چھپانے کے لیے مذہب کے ساتھ مذاق نہیں ہے؟ مجھے اگر پتہ بتایا جائے کسی خطۂ ارض میں کسی عورت کا جو نیک نیتی سے کسی ایسے عالم کی مقلد ہو کر جو وجہ وکفین کے استثناء کا قائل ہے ان حدود کی پابندی کے ساتھ باہر نکلتی ہو تو چاہے میں اُس کے طرز عمل کو غلط سمجھتا ہوں مگر اُس عورت کا احترام کرنا ضروری سمجھونگا اس لیے کہ اُس نے ایک اصول کو پیش نظر رکھا ہے اور اُس اصول کی وہ عملی طور سے پابند بھی ہے۔ مگر یہ دلدادگان تمدن مغربی جس طرح خواتین کو بے پردہ بنا رہے ہیں یا وہ جس طرح بے پردہ ہو رہی ہیں اُس عمل کو میں جتنا اپنی جگہ قابل نفرت سمجھوں اُس سے زیادہ اُن کی اس کوشش کو قابل نفرت سمجھونگا کہ وہ اپنے اس عمل کو اسلامی تعلیم کے حدود میں لانے کی کوشش کریں اُس قول کی بناء پر جو استثنائے وجہ و کفین کے متعلق بعض علماء نے اختیار کیا ہے۔ یہ سعی انکی کامیاب ہے اور نہ مشکور۔ اسلامی تعلیم ہرگز اس بے پردگی کے لیے ان کی ہم آواز نہیں ثابت ہو سکتی۔

دوسرا شبہہ وہ شخص جو شادی کا ارادہ رکھتا ہے انسے موقع دیا گیا ہے کہ وہ اسے دیکھ لے جس سے عقد کرنا چاہتا ہے ——————— اس

صورت میں یہ بھی امکان ہے کہ کوئی ہوس پرست شادی کے ارادہ کے بہانے سے سب ہی عورتوں کو دیکھتا پھرے۔ اس صورت میں پردہ کے حکم کا کوئی مفاد باقی نہ رہیگا۔

اس کے جواب میں یہ گذارش ہے کہ کسی حکم میں مستثنیات کا وجود اصل قانون کے ثبوت کی دلیل ہوتا ہے۔ اگر اس خصوصیت کے ساتھ کہ شادی کا ارادہ رکھتا ہو بطور استثنا نظر کی اجازت دی گئی ہو تو اس سے اصل قانون پردہ کے ثبوت پر کیا اثر پڑ سکتا ہے۔

یاد رکھنا چاہیے کہ شریعت اسلام میں اس کی سختی سے ممانعت کی گئی ہے کہ مال و جمال کو مطمح نظر نہ بناؤ اور یہاں تک کہا گیا ہے کہ اگر ان دونوں کی خاطر سے شادی کروگے تو دونوں سے محروم ہوگے۔ اصل جمال عورتوں کا جمال سیرت ہے۔ حسن ظاہری کے ساتھ بد اخلاق عورت کی مثال دی گئی ہے خضراء الدمن جیسے گھورے پر اُگا ہوا سبزہ۔ رسالتمآبؐ نے ارشاد فرمایا:۔ ایّاکم و خضراء الدمن "دیکھو گھورے کے سبزے سے پرہیز کرو" پوچھا گیا و من خضراء الدمن "گھورے کا سبزہ کون ہوتا ہے؟" فرمایا المرأۃ الحسناء فی منبت السوء خوبصورت عورت بری نشو و نما کے محل میں (فقہ الرضا۔ مطبوعہ طہران)

اس طرح مسلمان کی نگاہ میں بلندی کی گئی ہے اور بتایا ہے کہ اصول شرافت یہ ہے کہ شادی میں صورت کا لحاظ ہی نہ کرو اس

صورت میں دیکھنے کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔

لیکن اگر نکاح کرنے والا اتنا بلند نگاہ نہیں ہے اور وہ صورت کو نصب العین قرار دیے ہوئے ہے اس لیے دیکھنے کا خواہشمند ہے تو لڑکی والوں کو یہ حق ہے کہ اُس کی پست طبیعی کا اندازہ کر لینے کے بعد اُسکے ساتھ شادی کرنے سے انکار کر دیں وہ صاف کہدیں کہ تمھیں عورت کے اصلی جوہر حسن کا اندازہ نہیں۔ وہ ظاہر کر دیں کہ تمھاری شرافت شریف عورت کی قدر کرنے سے قاصر رہے گی اس لیے تمھیں اُن حسینوں کی طرف رخ کرنا کرنا چاہیے جو تمھارے مزاج اور طبیعت کے لائق ہیں لیکن اگر لڑکی والے اُس کی اس طبیعت کا اندازہ کرنے کے باوجود خود اتنی بلند نگاہی کا مظاہرہ نہیں کر سکتے بلکہ اُس کے ساتھ شادی کرنے کے لیے تیار ہیں۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ خود بھی کسی بلند سطح خود داری پر نہیں ہیں۔ تو پھر اسلام آیندہ کے شکوے، گلے، غلط فہمی کے احساسات اور اُس کے ناخوشگوار معاشرتی نتائج کو روکنے کے لیے نکاح کرنے والے کو تاریکی میں نہیں رکھنا چاہتا اس صورت میں وہ اجازت دیتا ہے کہ ایک نظر ایسی جس سے صورت کا اندازہ ہو جائے عورت پر ڈالی جا سکتی ہے۔ ظاہر ہے کہ شادی پیغام کا ارادہ ہونا کچھ خارجی قرائن اور آثار کا حامل ہوتا ہے جیسے خواستگاری کرنا، نامہ و پیام کا جاری ہونا

وغیرہ وغیرہ۔ اُن قرائن وحالات کی موجودگی کے ساتھ لڑکی والے ایسا انتظام کرسکیں گے کہ ایک نظر دیکھنے کے لیے ذرا دیر کے لیے لڑکی کو اُس کے سامنے کردیں۔ اس صورت میں یہ امکان کہاں ہے کہ سب لڑکیوں کے ورثہ اپنی لڑکی کو ہر مرد کے سامنے لے آئیں یا لڑکی ہر مرد کے سامنے آجائے۔ رہ گیا چھپ چھپا کر اتفاقی مواقع سے فائدہ اُٹھانا تو وہ ظاہر ہے کہ انفرادی اور ہنگامی عمل ہے جسے بطور خود افراد عمل میں لاتے ہی ہیں اور وہ مابین خود وخدا والا معاملہ ہے۔ اب اگر حقیقت میں اُس عورت کے ساتھ شادی کی نیت ہے اور نظر "بقدر ضرورت" سے آگے نہیں بڑھی تو وہ اللہ کے یہاں گنہگار نہ ہوگا۔ پھر بعض علماء کی تصریح کے مطابق یہ جواز صرف اُس وقت ہے کہ جب لڑکی کی طرف سے پیغام شادی کو منظور بھی کیا جا چکا ہو۔

ابن ادریس حلی رحمہ اللہ سرائر میں فرماتے ہیں:۔

یجوز ان ینظر الی وجھھا وکفیھا فحسب۔ اذا کانت استجابت للنکاح فاما اذا لم یوافق علی التزویج فلا یجوز لہ النظر الی ما کان یجوز لہ النظر الیہ عند استجابتھا وظھور العمل بموافقتہ۔ " صرف اُس کے چہرہ اور ہاتھوں پر نظر جائز ہوگی اُس صورت میں کہ جب اُس نے شادی کرنا منظور کرلیا ہو — اور اگر شادی کی منظوری نہیں ہوئی ہے تو اُس کو

نظر جائز نہ ہوگی۔

فقیہہ جلیل سالم بن ربیع نے اپنی کتاب مہذب میں جس کا قلمی نسخہ بخط مصنف ۹۰۰ھ کا لکھا ہوا میرے پاس موجود ہے اس کے شرائط نظر از تفصیل سے بیان فرمائے ہیں۔

وہ لکھتے ہیں یجوز النظر الی وجہ امرأۃ یرید نکاحہا اجماعا بشروط الاول ان یکون مرید النکاحہا الثانی امکانہ عادۃ بالنظر الی حالہا وحالہ الثالث خلوہا من موانع النکاح کالعدۃ وان جازت خطبتہا فی بعض المواضع الرابع ان لا یتلذذ بہ فوقت جواز النظر عند اجتماع ھذہ الشرائط۔

(یعنی) جس عورت کے ساتھ نکاح کرنا چاہتا ہے اُس کے چہرہ پر نظر کرنا اجماعاً جائز ہے چند شرطوں سے۔ پہلے یہ کہ واقعی نکاح کا ارادہ ہو۔ دوسرے یہ کہ اُس کی حیثیت اور اُس لڑکی کی حیثیت کو دیکھتے ہوئے دستور زمانہ کے مطابق اس نکاح کا امکان ہو تیسرے یہ کہ موانع نکاح میں سے کوئی امر پایا نہ جاتا ہو مثلاً عدہ میں نہ ہو اگرچہ اس حالت میں بعض صورتوں میں پیغام دینا جائز ہے مگر دیکھنا اس حالت میں جائز نہیں ہوگا۔ چوتھے یہ کہ اس دیکھنے سے لذت اندوز ہونا مطلوب نہ ہو۔

جب یہ سب شرطیں جمع ہوں اُس وقت نظر جائز ہو سکتی ہے۔

شہید ثانی رحمہ اللہ نے شرح لمعہ میں بھی ان شرطوں کی تصریح کی ہے۔

امیر سید علی طباطبائی متوفی ۱۲۳۱ھ نے اپنی کتاب ریاض مسائل میں جو شرح کبیر کے نام سے مشہور ہے اس شرط کو بھی قوت دی ہے کہ صورت کا علم حاصل کرنے کا مفاد دیکھنے سے وابستہ ہو یعنی اگر پہلے سے اُس عورت کی صورت کا علم ہو چکا ہے تو دیکھنا جائز نہیں ہے۔

جناب سید کاظم طباطبائی طاب ثراہ نے نہایت صاف الفاظ میں لکھا ہے: ویشترط ایضا ان لا یکون مسبوقا بحالہا "یہ شرط ہے کہ پہلے سے اُس کی صورت سے واقف نہ ہو" (عروۃ الوثقی مطبوعہ صیدا ج ۲ صفحہ ۴۴۹)

اور اگر حقیقت میں اُس کا ارادہ شادی کا نہیں ہے بلکہ اُس نے بہانہ بنایا ہے عورت کو دیکھنے کا تو وہ اس بہانہ سے اللہ کے یہاں گناہ سے بچ نہیں جائیگا کیونکہ سب کو دھوکا دینا ممکن ہے اللہ کو دھوکا دینا ہرگز ممکن نہیں ہے وہ اگر یہ سمجھتا ہے کہ اس طریقہ سے میں سزا کی زد سے بچ گیا تو وہ صرف اپنے نفس کو دھوکا دے رہا ہے (وما یخدعون الا انفسہم وہم لا یشعرون)

غور کیجئے تو اس بارے میں حسب ذیل حدیثیں جو وارد ہوئی ہیں عن ابی عبد اللہ لا باس بان ینظر الی وجہہا ومعاصمہا اذا اراد ان یتزوجہا

"امام جعفر صادق ؑ فرماتے ہیں کہ عورت کے چہرہ اور کہنیوں کے حصہ تک پر نظر جائز ہے جب شادی کا ارادہ ہو۔"

دوسری روایت جس میں سرای سے ہے۔ وہ کہتے ہیں:۔

قلت لابی عبد اللہ علیہ السلام الرجل یرید ان یتزوج المرأۃ یتاملھا وینظر الی خلفھا والی وجھھا قال نعم لا باس بان ینظر الرجل الی المرأۃ اذا اراد ان یتزوجھا ینظر الی خلفھا والی وجھھا

"میں نے امام جعفر صادق ؑ سے دریافت کیا کہ کوئی شخص عورت سے شادی کا ارادہ رکھتا ہو تو اُسے غور سے دیکھ لے اور اُس کے پشت اور چہرہ پر نظر کرلے۔ حضرت نے فرمایا ہاں کوئی مضائقہ نہیں کہ مرد عورت کی طرف دیکھ لے اگر اُس سے شادی کرنا منظور ہو۔ اُس کے پشت اور چہرہ کی طرف نظر کر سکتا ہے۔"

ان حدیثوں میں ارادہ شادی کی قید کے ساتھ چہرہ پر نظر کرنے کی اجازت ایک قوی ثبوت ہے اس کا کہ عام قانونِ پردہ کے لحاظ سے چہرہ مستثنیٰ نہیں ہے ورنہ سائل کو چہرہ کے متعلق سوال کی ضرورت نہ تھی اور امام کو جواب میں پھر چہرہ کے ذکر کو دوہرانے کا کوئی موقع نہ تھا۔

اسی لیے شیخ الطائفہ نے مبسوط میں فرمایا ہے: فاما اذا نظر الی جملتھا بریدات یتزوجھا فعندنا یجوز ان ینظر الی وجہہا

وکفیہا فحسب

اور محقق صاحب شرائع نے بھی قصد شادی کے ارادہ کی صورت میں قید لگائی ہے اور کہا ہے "ویختص الجواز بوجہہا وکفیہا" یہ نظر کا جواز اس صورت میں چہرہ اور ہاتھوں کے ساتھ مخصوص ہے"

(شرائع الاسلام مطبوعہ طہران ص ۱۴۹)

علامہ حلی رح نے تذکرہ میں بھی یہی تخصیص کی ہے اور فرمایا ہے وھو المشہور بین العامۃ لقولہ علیہ السلام للمغیرۃ بن شعبۃ انظر الی وجہہا وکفیہا "یہی اہلسنت کے درمیان بھی مشہور ہے کہ حضرت نے مغیرہ بن شعبہ سے فرمایا اس کے چہرہ اور ہاتھوں کو دیکھ سکتے ہیں"

شہید ثانی نے شرح لمعہ میں بھی یہی فرمایا ہے کہ ویختص الجواز بالوجہ والکفین ظاہرہما وباطنہما۔ بلکہ امیر سید علی طباطبائی صاحب ریاض نے اس کو مشہور کی طرف نسبت دی ہے فرمایا المشہور اختصاص الجواز بالموضعین

اور صاحب حدائق نے فرمایا ہے ظاہر کلام الاصحاب الاقتصار فی النظر علی الوجہ والکفین

"ہمارے علماء کے اقوال سے ظاہر یہ ہوتا ہے کہ نظر کو چہرہ اور ہاتھوں میں محدود رہنا چاہیے۔

علامہ ابن شہر آشوب رحمہ اللہ نے بھی متشابہات القرآن میں

یہی قید لگائی ہے۔ فرماتے ہیں :۔

یجوز النظر الی امرأۃ اجنبیۃ یرید ان یتزوجھا اذا نظر الی وجھھا وکفیھا

"غیر عورت جس کے ساتھ شادی کرنا چاہتا ہو اُس کو دیکھنا جائز ہے بشرطیکہ صرف چہرہ اور دونوں ہاتھوں پر نظر کرے"۔ اس کے بعد یہ سمجھنا کہ چہرہ پردہ کے حکم سے کلیۃً خارج ہے بالکل غلط ثابت ہو جاتا ہے۔

تیسرا شبہ :۔ حج میں احرام کی حالت میں مرد کے لیے سر کا اور عورت کے لیے چہرہ کا چھپانا ممنوع ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ چہرہ کا پردہ واجب نہیں ہے۔

یہ توہم بھی بالکل بے بنیاد ہے۔ احکام میں حیثیتیں مختلف ہوتی ہیں۔ جس طرح نماز کی حالت میں جو ستر عورت کے لیے واجب ہی اُس سے ہاتھ اور چہرہ کے مستثنیٰ ہونے کے صرف یہ معنی ہیں کہ نماز کی صحت کے لیے جو پردہ ہے جو کسی نامحرم کے نہ ہونے کی صورت میں بلکہ تنہائی میں یا تاریکی میں بھی نماز کی خاطر واجب ہے اُس میں ہاتھ اور چہرہ داخل نہیں ہے مگر اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ اگر کوئی نامحرم موجود ہو تو نامحرم کی نگاہ سے چھپنے کے لیے بھی چہرہ اور ہاتھ کے پردہ کی ضرورت نہیں۔ اسی طرح حالت احرام میں تمازت آفتاب اور لوہ دھوپ

بچنے کے لیے چہرہ پر نقاب ڈالنے کی ممانعت ہے بلکہ فریضۂ الٰہی میں
جسمانی مشقت برداشت کرانے کے لیے چاہا گیا ہے کہ مردوں کے
سر اور عورتوں کے چہرے تمازت آفتاب کو برداشت کریں اور
اُن کے چہروں کے رنگ حرارت سے متغیر ہوں لیکن اسکے یہ
معنی نہیں کہ اجنبی مردوں سے بچنے کے لیے بھی چہرہ کو چھپانا جائز
یا واجب نہو بلکہ مذہبی تصریحات اس کے خلاف موجود ہیں۔

طریق اہل سنت سے ام المومنین عائشہ کی روایت ہے:۔

کان الرکبان یمرون بنا ونحن محرمات مع رسول
اللہ صلی اللہ علیہ والہ فاذا جاؤنا سدلت احدانا
جلبابہا من راسہا علی وجہہا فاذا جاوزنا کشفناہ

"ہم احرام کی حالت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ و
سلم کے ساتھ ہوتے تھے اور اُس حالت میں مردوں کا ہمارے
قریب سے گذر ہوتا تھا تو جب مرد آنے لگتے تھے ہم اپنے بوقعے کو
سر کے اوپر سے چہرہ پر لٹکا لیتے تھے اور جب مرد چلے جاتے تھے
تو ہم چہرے کھول دیتے تھے"۔

ظاہر ہے کہ اگر چہرہ کا چھپانا مردوں کے پردہ کے خیال سے
بھی حالت حج میں ممنوع ہوتا تو رسالت مآبؐ اس عمل پر تائیدی
سکوت نہ فرماتے بلکہ ممانعت فرما دیتے۔ حضرت کا سکوت
اس کی دلیل ہے کہ چہرہ کے کھولنے کا حکم حج میں مردوں کے قریب پہنچنے

کی صورت میں ہے لیکن مردوں سے پردہ بہرحال ضروری ہے چنانچہ حدیث صحیح میں حریز نے امام جعفر صادقؑ سے روایت کی ہے حضرت نے فرمایا :-

المحرمۃ تسدل الثوب علی وجہھا الی الذقن

"احرام کی حالت میں جو عورت ہو اُسے کپڑے کو اپنے چہرہ پہ ٹھوڑی تک لٹکا لینا چاہیے"

صحیحہ معاویہ بن عمار میں ہے حضرت صادقؑ نے فرمایا

تسدل المرأۃ الثوب علی وجہھا من اعلاہ الی النحر اذا کانت راکبۃ

"سوار ہونے کی حالت میں عورت کو چاہیے کہ وہ کپڑے کو اپنے چہرہ پر سر کے اوپر سے سینہ کے اوپر تک لٹکا دے"

دونوں حدیثوں کو سامنے رکھ کر وجہ صاف سمجھ آتی ہے کہ جب عورت پیادہ ہو گی تو اُس پر مرد کی نظر سامنے سے یا برابر سے پڑ سکتی ہے۔ اگر مرد بھی پیادہ ہو اور یا اوپر سے پڑیگی اگر مرد سوار ہو دونوں حالتوں میں ٹھوڑی تک لٹکے ہوئے کپڑے سے چہرہ چھپا رہ سکتا ہے لیکن اگر عورت سوار ہے تو پیادہ مرد اُس کو سواری کے نیچے سے دیکھے گا۔ اس صورت میں ٹھوڑی تک کا کپڑا کافی نہیں ہو گا بلکہ سینہ تک کپڑا ہو گا تب نظر سے مانع ہو گا دونوں حدیثوں سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ دیکھنے والوں کی

نگاہ سے پردہ بہرحال ضروری ہے۔

ایک دوسری روایت صحیحہ میں بھی ہے المحرمۃ تسدل ثوبھا الی نحرھا
"احرام میں جو عورت ہو وہ کپڑے کو سینہ تک لٹکائیگی"
سماعہ کی روایت میں امام جعفر صادقؑ سے ہے۔

ان مر بھا رجل استرت منہ بثوبھا

"اگر مرد کا پاس سے گذر ہو تو اپنے کپڑے کے ساتھ اس سے پردہ کرلے"

ان احادیث کے بعد اس تصور کی گنجائش نہیں ہے کہ حالت احرام میں عورت کے لیے چہرہ کا کھولنا غیر مردوں کے سامنے بھی لازم یا جائز ہے۔

اسی لیے محقق ثانی علی بن عبد العالی کرکی طاب ثراہ نے فرمایا ہے:- وعلیھا ان تسفر وجھھا بالنسبۃ الی الاحرام لا بالنسبۃ الی نظر الاجانب "یہ چہرہ کے کھولنے کا حکم بلحاظ احرام کے ہے نہ بلحاظ غیر مردوں کی نظر کے" (جامع المقاصد صفحہ ۱ مطبوعہ ایران)

اور فاضل ہندی بہاء الدین محمد بن حسن اصفہانی رہ نے کشف اللثام میں لکھا ہے۔ یجوز لھا رقد یجب اذا ارادت لتستر عن الاجانب سدل القناع ای ارسالہ من راسھا الی طرف انفھا

"جائز ہی کبھی واجب ہو جائیگا جبکہ غیر مردوں سے پردہ کی ضرورت ہو کہ وہ مقنع کو اپنے سر کے اوپر سے چہرہ کے اوپر ڈال لے"۔

فرماتے ہیں اما جواز السدل بل وجوبہ فیتم مع الاجماع لانّھا عورۃ یلزمہ التستر من الرجال الاجانب وللاخبار۔

"چہرہ پر مقنع کے ڈالنے کا جواز بلکہ وجوب ظاہر ہے علاوہ اجماع کے اسی دلیل سے کہ وہ عورت ہے۔ اُسے غیر مردوں سے پردہ ضروری ہے دوسرے احادیث اس پر دلالت کرتے ہیں"۔ جناب شیخ جعفر نجفی طاب ثراہ المتوفی سنہ ۱۲۲۷ھ نے بھی کشف الغطا میں لکھا ہے۔ ویجوز لھا وقد یجب اذا ارادت التستر من الاجانب سدل القناع ای ارسالھا من راسھا الی طرف انفھا (طبع ایرانی ص ۳۳۱)

جناب شیخ زین العابدین مازندرانی طاب ثراہ ذخیرۃ المعاد (مطبوعہ بمبئی صفحہ ۵۲۲) میں فرماتے ہیں:-

احرام زنہار در روئے ایشاں می باشد کہ باید روئے خود را نپوشانند بہ نقاب وغیر آن حتی در خواب مگر برائے نامحرم کہ در آنصورت نیز بپا دیزد مقنع یا چیزے پایہ رو بندد را۔

آقا میرزا محمد تقی شیرازی طاب ثراہ نے بھی حاشیہ میں اس کا امضا فرمایا ہے۔

پردہ کی اہمیت کا ایک خاص پہلو

پردہ کی اہمیت کا یہ ایک بڑا ثبوت ہے کہ اس کی وجہ سے

دوسرے قوانین اور احکام میں شارع مقدس کی جانب سے ترجیح کی گئی ہیں۔ اصول یہ ہے کہ جب دو کلیے آپس میں ٹکرائیں تو جو اہم ہوگا وہ دوسرے پر مقدم ہوگا۔

اب جبکہ ہم یہ دیکھیں کہ ہر جگہ پردہ کے حکم سے دوسرے کلیہ پر اثر پڑا۔ پردہ کے حکم پر اثر نہیں پڑا تو یہ آفتاب سے زیادہ روشن ثبوت اس کا ہوگا کہ شرع کی نظر میں پردہ اہم سے اہم چیز ہے۔

یہ ایک وسیع باب ہے جس میں بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے مگر اس موقع پر چند مثالیں پیش کر دینے پر اکتفا کی جاتی ہے۔

ایک یہی احرام کا باب ہے۔ یہاں دو کلیے اپنی اپنی جگہ پر ہیں۔ ایک یہ کہ حالت احرام میں چہرہ کھلا ہوا ہونا چاہیے۔ دوسرے یہ کہ احرام میں پردہ ضروری ہے یہ دونوں ٹکراتے ہیں اس وقت جب حالت احرام میں مرد سامنے آجائے۔ اس کلیہ کا تقاضا یہ ہے کہ اب بھی چہرہ کھلا رہنے دیا جائے۔ دوسرے کلیہ کا تقاضا یہ ہے کہ چہرہ اس وقت ڈھکنے کی اجازت ہو جائے۔

اگر پہلے کلیہ کو مقدم کر کے اس حالت خاص میں چہرہ کے کھلے رہنے کا حکم بھی ہو جاتا تب بھی یہ نتیجہ نہیں نکالا جا سکتا تھا کہ بجائے خود پردہ کا قانون کوئی چیز نہیں بلکہ صرف یہ ثابت ہوتا کہ حالت احرام میں حج کے مفاد کو پردہ کے مفاد پر شرع نے مقدم کیا ہے۔ مگر آپ نے دیکھ لیا کہ ایسا نہیں ہے بلکہ شریعت

بے پردہ ہی کے حکم کو مقدم کیا ہے اور اس لیے حج والے قانون میں ایک طرح کی ترمیم کردی گئی کہ نامحرموں سے پردہ کی غرض سے چہرہ کا چھپانا صحیح ہے۔

دوسرا ایک مہتم بالشان مرحلہ گواہی کا ہے۔ ظاہر ہے کہ محکمہ عدالت شرعی میں اظہار حق کے لیے گواہی دینے کے واسطے شناخت کی ضرورت ہے۔ اور مکمل شناخت اُس وقت تک نہیں ہو سکتی جب تک عورت سامنے نہ ہو مگر اس موقع پر بھی امکانی حد تک پردہ کی مراعات نظر انداز نہیں کی گئی۔

صفاری کی روایت ہے:۔

كتبت الى ابي محمد ع في رجل اراد ان يشهد على امرأة ليس لها بمحرم هل يجوز له ان يشهد عليها وهي من وراء الستر يسمع كلامها اذا شهد رجلان عدلان انها فلانة بنت فلان التي تشهدك وهذا كلامها او لا يجوز له الشهادة

میں نے حضرت امام حسن عسکری کی خدمت میں تحریری سوال بھیجا کہ ایک شخص کسی عورت کے متعلق گواہی دینا چاہتا ہے جو اُس کی محرم نہیں ہے تو کیا اس صورت سے گواہی دینا اُسکے لیے جائز ہے کہ وہ پردہ کے پیچھے رہے اس طرح کہ یہ آُسکی آواز کو سنتا ہو اور دو عادل شخص اس کی گواہی بھی دیدیں کہ یہ وہی عورت ہے جسکے متعلق گواہی دینا چاہتے ہو اور یہ اُسی کی آواز ہے۔ یا اُس وقت تک

حتی تبترز دیثبتہا بعینہا نوقم علیہ السلام تتنقب وتظہر للشہود	گواہی جائز نہیں جبتک کہ وہ سامنے نہ آئے اور یہ اُسے اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لے حضرتؑ نے تحریر فرمایا کہ وہ چہرہ پر نقاب ڈالے اور پھر گواہوں کے سامنے آئے۔

یہاں بھی گواہی کے ایسے اہم موقع پر پردہ کے مفاد کو مدنظر رکھا گیا۔ اور اس سے ایک اور ثبوت اس کا بھی ملا کہ چہرہ پردہ سے مستثنیٰ نہیں ہے ورنہ نقاب کا حکم دینے کی ضرورت نہ تھی بلکہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ پردہ کے باب میں چہرہ کی خاص اہمیت ہے۔ اس لیے اُسکے پردہ یعنی نقاب کا تذکرہ خصوصیت سے ضروری سمجھا گیا۔

تیسرا موقع نماز جمعہ کا ہے اُس صورت میں کہ جب امام معصوم نماز پڑھانے کے لیے موجود ہوں تو یقیناً ہر ایک شخص پر واجب عینی ہے۔ اور زمانۂ غیبت امام میں اختلاف سہی مگر بعض علماء اس صورت میں بھی وجوب عینی کے قائل ہیں اور بعض واجب تخییری کہتے ہیں تو اسے افضل الفردین (یعنی جمعہ اور ظہر دونوں فردوں میں افضل) قرار دیتے ہیں۔

بہرصورت عورت اس حکم سے خارج ہے۔ نہ وجوب عینی کی صورت پر اُس پر جمعہ میں حاضر ہونا واجب اور نہ وجوب تخییری کی صورت میں اُس کے لیے ایسا کرنا افضل۔ کیا پردہ کے لحاظ کے سوا اس کا سبب کچھ اور ہے؟

جناب شیخ مفید مقنعہ میں فرماتے ہیں: تسقط صلوۃ الجمعۃ مع الامام عن تسعۃ الطفل الصغیر والھرم الکبیر والمرأۃ
"یعنی امام کی موجودگی میں بھی عورت پر سے جمعہ ساقط ہے۔"
جناب شیخ الطائفہ مبسوط میں فرماتے ہیں
ومن لا تجب علیہ ولا به فھو الصبی و المجنون والعبد والمسافر والمرأۃ (مبسوط مطبوعہ طہران)
ایسا ہی سرائر ابن ادریس میں بھی ہے۔
محقق حلی شرائع میں لکھتے ہیں کہ "جمعہ کے وجوب کے لیے ذکوریت شرط ہے اور عورت اگر جمعہ میں آ کر شریک ہو تو وہ اس تعداد میں جو نمازیوں کی جمعہ کے لیے ضروری ہے شمار نہ ہو گی۔ (شرائع ص ۷۵)
اپنی دوسری کتاب معتبر میں شرائط وجوب جمعہ میں ذکوریت یعنی مرد ہونے کو درج کرنے کے بعد لکھا ہے علیہ اجماع العلماء (صفحہ ۲۰۵)

جمعہ تھے عام اصول یہ ہے کہ گھر سے افضل مسجد خانہ، مسجد خانہ سے افضل مسجد محلہ اور مسجد محلہ سے افضل مسجد جامع ہے یعنی جتنا اجتماع بڑھتا جائے اتنا ثواب زیادہ۔ مگر عورتوں کے لیے فضیلت کے قدم برعکس جاتے ہیں یعنی مسجد سے زیادہ ثواب گھر میں۔ اور گھر کے صحن سے زیادہ ثواب اندر کمرے میں۔ اس

میں پردہ کا خیال بالکل ظاہر ہے۔

علامہ حلی فرماتے ہیں: ویکرہ للنساء الاتیان الی المساجد لما فیہ من التبرج المنھی عنہ قال الصادقؑ خیر مساجد نسائکم البیوت۔

پانچویں نماز ظہر و عصر میں اخفات اور نماز صبح، مغرب اور عشا میں جہر کا حکم ہے مگر عورت کے لیے ان نمازوں میں اخفات کی اجازت ہے اور نامحرم قریب ہو تو اخفات یعنی آہستہ پڑھنا معین ہے۔

چھٹے غسل میت۔ ظاہر ہے کہ ایک فریضہ اسلامی ہے جو بطور عبادت انجام پاتا ہے۔ اس لیے غسل دینے والے کا مسلمان ہونا ضروری ہے مگر مرد اور عورت کے باہمی پردہ کا خیال اتنا اہم ہے کہ اس شرط کو نظر انداز کر دینا پڑتا ہے۔

کتاب فقہ الرضاؑ میں جو خاتمۃ المحدثین علامہ سید حسن صدر رحمہ اللہ کی تحقیق میں دراصل محمد بن علی سلمغانی کی کتاب التکلیف ہے اور بہر حال دوسری یا تیسری صدی ہجری کی تصانیف میں سے ہے، لکھا ہے:

ان مات میت بین رجال نصاریٰ و نسوۃ مسلمات غسلہ الرجال النصاریٰ

اگر کسی مرد کا انتقال ہو جائے اور بس عیسائی مرد موجود ہوں اور مسلمان عورتیں تو عیسائی مرد نہا کر اسے غسل

بعد ما یغسلون وان کانت المیّت امرأۃ مسلمۃ بین رجال مسلمین و نسوۃ نصرانیۃ اغتسلت النصرانیۃ و غسلتہا۔

دیں اور اگر عورت کا انتقال ہو اور بس مسلمان مرد ہوں اور عیسائی عورتیں تو عیسائی عورت نہا کر اُسے غسل دے۔

جناب شیخ مفید طاب ثراہ مقنعہ میں فرماتے ہیں:۔

اذا مات رجل مسلم بین رجال کفار و نساء مسلمات لیس لہ فیہن محرم امر بعض الکفار بالغسل و غسلہ بتعلیم النساء غسل اھل الاسلام و کذلک ان ماتت امرأۃ مسلمۃ بین رجال مسلمین لیس فیہم لہا محرم و نساء کافرات امر الرجال امرأۃ منہن ان تغسلہا و علموھا تغسیلہا علی سنۃ الاسلام

اس میں عیسائی کا ذکر نہیں بلکہ مطلق غیر مسلم کے لیے کہا گیا ہے کہ وہ غسل دے اور اگر میت مرد ہے تو اُسے غسل دینے والے کافر مرد کو مسلمان عورتیں بتائیں جائیں کہ اس طرح غسل دو اور اگر میت عورت ہے تو غسل دینے والی کافر عورت کو مسلمان مرد تعلیم دیدیں کہ یوں غسل دیا جائے۔

اتنا ہے کہ اگر نابالغ لڑکی تین برس سے زیادہ کی ہو تو اُسے مسلمان مرد غسل دے تو سکتے ہیں مگر حکم یہ ہے کہ :۔

غسلوها فی ثیابها وصبوا علیها الماء وحنطوها بعد الغسل ودفنوها فی ثیابها۔

"اُسکے کپڑے نہ اُتاریں۔ کپڑوں کے اوپر سے غسل دیں اور بس پانی کے تڑیڑے ڈال دیں اور کپڑوں ہی کے اوپر سے حنوط لگا دیں، اور اُن ہی کپڑوں میں دفن کر دیں۔" (مقنعہ مطبوعہ طہران صـ۱۱)

ظاہر ہے کہ مردہ عورت اور نابالغ لڑکی کے متعلق وہ خطرات نہیں ہیں جو عورتوں کی بے پردگی میں عموماً خیال میں آسکتے ہیں۔ مگر یہ احکام انسانی ذہن میں اُس خلیج کو مستحکم کرتے ہیں جو مردوں اور عورتوں کے درمیان پردہ کے لحاظ سے اسلام نے قائم کرنا چاہی ہے۔

مبسوط شیخ میں بھی یہ مسئلہ موجود ہے اور محقق حلی رہ نے نہایت صاف الفاظ میں لکھا ہے: تغسل الکافرۃ المسلمۃ اذا لم تکن مسلمۃ ولا ذو رحم، "جب کوئی مسلمان عورت مرجائے اور محرم مرد موجود نہ ہو تو کافر عورت مسلمان عورت کی لاش کو غسل دے گی۔" شرائع الاسلام (مطبوعہ طہران صـ۹)

اور معتبر میں موصوف نے اگرچہ اس سے اختلاف کیا ہے کہ غیر مسلم غسل دے اس بناء پر کہ غسل میت کے لیے نیت کی ضرورت ہے اور کافر کی نیت صحیح نہیں، پھر بھی اس کی اجازت نہیں

دیتے کہ عورت کو غیر مرد یا مرد کو غیر عورت غسل دیدے بلکہ فرماتے ہیں الاقرب دفنها من غیر غسل " اقوٰی یہ ہے کہ بغیر غسل کے دفن کردیا جائے "

جس طرح اگر اتفاق سے مسلمان اور غیر مسلمان کوئی اُس صنف کا موجود ہی نہ ہو تو اس صورت میں یہی فتوٰی ہے۔

فرماتے ہیں وفی روایۃ یدفنوها من غیر غسل وهی المشهورۃ وعلیها العمل لنا ان نظر الاجنبی محرم والغاسل لاینفك عن الاطلاع علی ما یحرم وروی ابو الصباح الکنانی عن ابی عبد اللہ علیہ السلام فی الرجل یموت فی السفر فی ارض لیس معه الا النساء قال یدفن ولا یغسل والمرأۃ تکون مع الرجال فی تلك المنزلۃ تدفن ولا تغسل ومثله روی داؤد بن سرحان عن ابی عبد اللہ علیہ السلام

ایک حدیث میں آیا ہے کہ اس صورت میں میت کو بغیر غسل کے دفن کردیا جائے - یہ حدیث مشہور ہے اور عمل اسی پر ہے - دلیل ہماری یہ ہے کہ غیر مرد کا نظر کرنا جسم پر حرام ہے اور غسل دینے والے کی نظر پڑنا ضروری ہے - ابو الصباح کنانی کی روایت امام جعفر صادق سے ہے کہ کسی مرد کا انتقال ہو جائے ایسی جگہ جہاں عورتوں کے سوا کوئی نہ ہو تو مرد کو بغیر غسل کے دفن کردیا جائے اور عورت کا ایسی جگہ انتقال ہو جائے جہاں مردوں کے سوا کوئی نہ ہو تو اُس عورت کو بغیر غسل دفن کیا جائے یہی مضمون داؤد بن سرحان کی روایت میں امام جعفر صادق سے منقول ہے۔

چونکہ ابو حنیفہ کا اس صورت میں یہ قول ہے کہ اس صورت میں میت کو تیمم کرا دیا جائے۔ اس کی رد میں محقق فرماتے ہیں:۔

واحتجاج ابی حنیفة ضعیف لان نظر الاجنبی محرم والمانع من الغسل سوی التیمم وان کان الاطلاع مع التیمم قل لکن النظر محرم قلیله وکثیرة

"ابو حنیفہ کا استدلال کمزور ہے اس لیے کہ غیر کی نظر پڑنا حرام ہے اور یہ مانع جس طرح غسل میں ہے اُسی طرح تیمم میں بھی ہے بیشک تیمم میں کم اعضاء سے واقفیت پیدا ہوتی ہے مگر نظر بالکلیہ حرام ہے کم ہو یا زیادہ۔ (معتبر محقق حلی مطبوعہ طہران صـ ۸۸)

اس سے بڑھ کر پردہ کی اہمیت اور کیا ہو سکتی ہے۔

علامہ حلی رہ نے تذکرۃ الفقہا میں فرمایا ہے:۔

لو ماتت امرأة ولیس هناک الا الاجنبی قال علماؤنا تدفن بثیابها ولا یغسلها الاجنبی ولا یؤممها لتحریم النظر واللمس فی حال الحیوٰة فکذا بعد الموت۔

(یعنی) اگر کسی عورت کا انتقال ہو جائے اور غیر مردوں کے سوا کوئی نہ ہو تو ہمارے علماء کا قول یہ ہے کہ اُس کو کپڑوں سمیت دفن کر دیا جائے غیر مرد نہ اُسے غسل دیں نہ تیمم کرائیں اس لیے کہ دیکھنا اور جسم کا چھونا غیر مرد کو زندگی میں بھی حرام تھا اُسی طرح موت کے بعد بھی حرام ہے۔"

شہید اول رحمہ اللہ نے لمعہ دمشقیہ میں فرمایا ہے: فان تعذّر فالکافر والکافرۃ بتعلیم المسلم

"اگر عورت اور محرم کوئی موجود نہ ہو تو مسلمان عورت کی لاش کو کافر عورت غسل دے کسی مسلمان کی تعلیم سے"

شہید ثانی شرح میں فرماتے ہیں: والمراد هنا صورة الغسل ولا تعتبر فیه النیة، "یہ حقیقت میں غسل نہ ہوگا بلکہ مقصد یہ ہے کہ غسل کی صورت وجود میں آجائے۔ اس میں نیت کا بھی اعتبار نہیں ہے"

اپنی دوسری کتاب شرح ارشاد میں فرماتے ہیں:-

وحیث منعنا مباشرۃ الکافر او تعذّر دفن المیت بثیابه بغیر غسل ولا تیمم لاستلزامهما النظر واللمس المحرمین۔

"اگر ہم کہیں کہ غیر مسلم کو غسل دینا جائز نہیں ہے یا اتفاق سے غیر مسلم بھی عورت کوئی موجود نہ ہو تو میت کو اسکے کپڑوں سمیت بغیر غسل و تیمم کے دفن کر دینا چاہیے اس لیے کہ غسل اور تیمم دونوں میں نظر اور جسم کو چھونے کی ضرورت ہوگی جو دونوں حرام ہیں (روض الجنان شرح ارشاد الاذہان مطبوعہ طہران صفحہ)

(ساتویں) اذان اور اقامت نماز کے لیے بڑا تاکیدی حکم ہے۔ بلکہ متعدد علماء وجوب کے قائل ہیں۔ مگر عورتیں اس حکم سے مستثنیٰ ہیں

جناب شیخ مفید طاب ثراہ مقنعہ میں فرماتے ہیں:-

ولیس علی النساء اذان ولا اقامة لکنهن یتشهدن بالشهادتین عند وقت کل صلوٰة ولا یجهرن بهما لئلا یسمع اصواتهن الرجال ولو اذن واقمن علی الاخفات للصلوٰة لکن بذلک ماجورات ولم یکن به مازورات الا انه لیس بواجب علیهن کوجوبه علی الرجال۔

"عورتوں کو اذان و اقامت کا حکم نہیں ہے بس وہ ہر نماز کے وقت شہادتین زبان پر جاری کر لیا کریں اُسے بھی بلند آواز سے نہ کہیں کہ مردوں تک اُن کی صدا پہونچے اور اگر نماز میں آہستہ اذان دے لیں اور اقامت کہہ لیں تو اُنھیں اس کا ثواب ملے گا گناہ نہیں ہوگا مگر حکم تاکیدی اُن کے لیے ویسا نہیں ہے جیسا مردوں کے لیے ہے" (مقنعہ مطبوعہ طہران صـــ۲۵)

ابن ادریس نے سرائر میں فرمایا ہے۔

ولیس علی النساء اذان ولا اقامة بل یتشهدن الشهادتین بدلا من ذلک فان اذن واقمن کان افضل الا انهن لا یرفعن اصواتهن اکثر من اسماع انفسهن ولا یسمعن

الرجال۔

اس کا بھی خلاصہ یہی ہے کہ اذان اور اقامت عورتوں کے لیے نہیں ہے اور اگر دیں بھی تو اس طرح کہ مرد آواز نہ سنیں۔

محقق رحمہ اللہ نے بھی معتبر میں اس پہ زور دیا ہے اور امام جعفر صادقؑ کی حدیث نقل کی ہے۔

عن المرأة تؤذّن قال حسن ان فعلت ولا تؤذّن للرّجال لانّها صوتها عورة۔

"دریافت کیا گیا کہ عورت کو اذان دینا چاہیے؟ فرمایا اچھا ہے اگر اذان دے مگر مردوں کو آواز نہ سنائے۔ اس لیے کہ اُس کی آواز بھی عورت ہے۔ یعنی چھپانے کی مستحق ہے۔"

(معتبر ص ۱۶۱)

علامہ حلّی نے تذکرۃ الفقہاء میں فرمایا ہے:۔

لو اذنت للرجال لم یعتد وابہ لانّہ عورۃ فاجھر منھی عنہ

"اگر مردوں کی جماعت کے لیے عورت اذان دے تو اُسے کافی نہیں سمجھنا چاہیے اس لیے کہ وہ عورت ہے (یعنی پردہ اُس کے لیے ضروری ہے لہذا آواز بلند کرنے کی اُسے ممانعت ہے اور ممانعت عبادت کو باطل کر دیتی ہے۔"

شہید ثانی رحمہ اللہ مسالک —— میں فرماتے ہیں:۔

انما یشترط اسرارھا حیث یستلزم الجھر سماع الرجل اما مع عدمہ فتتخیر بین السر والجھر وان کان السر افضل

(یعنی آہستہ کہنے کی شرط عورت کے لیے اُس وقت سے جب آواز بلند کرنے سے غیر مرد کے سننے کا اندیشہ ہو لیکن اگر کوئی غیر مرد سننے والا قریب موجود نہ ہو تو اختیار ہے بے شک آہستہ کہنا اس وقت میں بھی افضل ہے۔"

شہید ثانی رحمہ اللہ روض الجنان فی شرح ارشاد الاذہان (مطبوعہ طہران ص ۲۳۹) میں فرماتے ہیں:۔

(انما یستحب للمرأۃ بل یشرع اذا لم تسمع اذانھا ولغا منتھا الرجال الاجانب فان سمعوا مع علمھا حرم ولم یعتد بہ للنھی المفسد للعبادۃ

اذان واقامت کی مشروعیت عورت کے لیے اُس وقت ہے جب اُس کی اذان واقامت کو غیر مرد نہ سنیں، اور اگر غیر مرد

سن رہے ہوں اور اس کو علم ہو تو حرام ہے اور صحیح بھی نہیں ہے اس لیے کہ عبادت کا بطور ممنوع ہونا باعث بطلان ہے۔"

(آٹھویں) نماز جماعت میں ضروری ہے کہ امام اور ماموم کے درمیان کوئی چیز حائل نہ ہو مگر عورتوں کا پردہ وہ چیز ہے جس کی وجہ سے اُن کے لیے یہ حکم باقی نہیں رہا۔

وقد رخص للنساء ان یصلین مع الامام من وراء الحوائل (مبسوط۔ شیخ الطائفہ مطبوعہ طہران)

شرائع میں ہے: ولا تنعقد مع حائل بین الامام و الماموم یمنع المشاهدة الا ان یکون الماموم امرأة (مطبوعہ طہران صفحہ ۳۲)

معتبر میں اس کو تفصیل سے لکھا ہے۔ فرماتے ہیں:۔

قال الشیخ لا یجوز ان یؤم المرأة من وراء الجدار ولعله استند الی روایة عمار عن ابی عبد اللہ قال سألته عن الرجل یصلی بالقوم وخلفه دار فیها نساء هل یصلین خلفه قال نعم قلت ان بینه و بینهن حائطا وطریقا قال لا باس ویؤید ذلک ان المرأة عورة و الجماعة عبادة مهمة فی نظر الشرع تجمع لها بین الصیانة وتحصیل الفضیلة ویستوی فی ذلک الحسناء والشوهاء والشابة والمسنة۔

"یعنی شیخ طوسیؒ نے کہا ہے کہ عورت دیوار کے پیچھے سے جماعت

میں شریک ہو سکتی ہے۔ غالباً اس کا مستند عماّر کی روایت ہے۔ امام جعفر صادق ؑ سے دریافت کیا کہ ایک شخص نماز پڑھ رہا ہو اور اُس کے پیچھے ایک مکان ہو جس میں عورتیں ہیں تو یہ اُس کے پیچھے نماز پڑھ سکتی ہیں؟ حضرت نے فرمایا ہاں پڑھ سکتی ہیں سائل نے کہا اُس مرد اور ان عورتوں کے بیچ میں دیوار ہے اور راستہ ہے۔ حضرت نے فرمایا کچھ حرج نہیں۔ موید اس حکم کی یہ ہے کہ صنف نسواں عورت ہے (یعنی پردہ اُس کے لیے ضروری ہے) اور نظر شارع میں نماز جماعت ایک اہم عبادت ہے لہذا ایسی صورت نکالی گئی کہ پردہ کی پابندی بھی ہو اور فضیلت بھی حاصل ہو جائے اور اس حکم میں کوئی فرق نہیں ہے کہ عورت خوبصورت ہے یا بدصورت اور جوان ہے یا سن رسیدہ (معتبر مطبوعہ طہران ص ۲۳۹) علامہ حلّی ؒ نے تذکرۃ الفقہاء میں بھی یہی مضمون درج فرمایا ہے۔

اتنے نظائر ہمارے اس دعوے کے اثبات میں کافی ہیں کہ جب دوسرے قوانین شرع اور پردہ کے قانون سے تصادم ہو تو پردہ کا حکم دوسرے قوانین پر اثر انداز ہو جاتا ہے اور یہ اسلامی نقطۂ نظر سے پردہ کی اہمیت کا ایک قطعی ثبوت ہے۔

پردہ کے عقلی پہلو کیا ہیں؟

عزیز اور قابل حفاظت شے کا تحفظ ضروری ہے خطرات

کے ہوتے ہوئے امکانی حدود تک اُن خطرات سے بچنے کی کوشش مستحسن ہے جو طریق کار بہ ممکن درجہ تک خطرات سے بچنے کا ذریعہ ہو اُس کا اختیار کرنا عقلاً پسندیدہ ہے۔

مذکورہ بالا امور میں سے کوئی ایک امر بھی غالباً شک و شبہہ کی آماجگاہ بننے کے قابل نہیں ہے

اب اس کے بعد یہ دیکھیے کہ عزت و شرف ناموس قابل حفاظت چیز ہے یا نہیں۔ بندہ کی پہلی قسم میں اخلاقی حجاب کے بیان میں میں لکھ چکا ہوں کہ ہمارے ہندوستان کا فکر و خیال ابھی تک اس نقطہ تک نہیں پہونچا ہے کہ وہ عزت ناموس کو قابل قدر اور لائق حفاظت نہ سمجھے۔ اس پر بہر حال سب متفق ہیں اور مشرقی مزاج طبیعت ابھی تک اس نقطہ سے ہٹ نہیں سکتا اس لیے اس پر بحث و استدلال کی کوئی ضرورت نہیں باقی رہتی۔

یہ عزت ناموس کی دولت خطرات کا مرکز ہے یا نہیں بالکل ظاہر ہے جذبہ نسوانی اور طبیعت مردانہ بقول شخصے مقناطیس و آہن ہے یا آتش و خرمن۔

سید باقر صاحب قبلہ کے ایسے بے نفس ملکوتی صفات انسان نے اپنی کتاب میں تائیدی حیثیت سے بار بار شاعر عرب کا یہ قول دوہرایا ہے:۔

انّ من لم یعشق الوجہ الحسن | قرّب الرجل الیہ والرّسن

"جو حسین چہرہ کو دیکھ کر دلدادہ نہ ہو جائے وہ آدمی نہیں جانور سمجھے جانے کا مستحق ہے۔"

مقصد بظاہر یہ ہے کہ شعور حسن اور تاثر کا ہونا انسانی ادراک کا لازمہ ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ بلند نظر پابند آئین قدسی صفت انسان اس احساس کو فرض شناسی کے بارے دبا کر عمل کی منزل میں جذبات کو کار فرما نہیں ہونے دیتا مگر ایسے قدسی صفت انسان دنیا میں گنے ہیں۔ دنیا جیسے انسانوں سے بھری پڑی ہے وہ تو وہی ہیں جن میں قوت شعور و تاثر موجود ہے اور ضبط نفس کی قوت مفقود ہے۔ ایسی حالت میں خطرات کا اندیشہ قطعی ہے۔

پردہ ان خطرات سے بچنے کا امکانی ذریعہ ہے اس لیے عقلاً اس کا اختیار کرنا لازم ہے۔

نظریں آپ کی آنکھوں کے سامنے ہیں۔ ضروری کاغذات بکس میں بند کر کے رکھے جاتے ہیں۔ جواہرات صندوقوں میں مقفل کیے جاتے ہیں۔ زرنقد کے لیے تجوریاں بنائی گئی ہیں جہاں انھیں محفوظ رکھا جاتا ہے۔

سوتے وقت گھروں کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں۔ بینک کے دروازہ پر قفل کے ساتھ ساتھ پہرہ دار مقرر ہوتے ہیں۔

حکام اعلیٰ جن کی حفاظت بھی زیادہ ضروری اور جن کے دشمن بھی بکثرت ہوتے ہیں اُن کی حفاظت کے لیے باڈی گارڈ ہوتے ہیں اور وہ بلاضرورت مارے مارے نہیں پھرا کرتے۔

خلاصہ یہ کہ ہر شے جتنی زیادہ عزیز ہو جتنے زبان اُسکے طالب ہوں اور جتنے اُس کے لیے خطرات ہوں اُتنا ہی اُسکے لیے حفاظت کا سامان ہوتا ہے۔ اب متاعِ گراں مایۂ عزت و شرافت کے متعلق اپنے پیمانۂ نگاہ کا اندازہ کر لیجیے کہ وہ آپ کے نزدیک کس قدر قیمتی ہے۔ اگر ضروری کا غذات سے زیادہ قیمتی نظر آئے اگر روپیہ سے زیادہ بیش قیمت معلوم ہو اگر آپکے اثاث البیت اور ہر مال و متاع سے بڑھ کر اُس کی عزت محسوس ہو بلکہ اکثر شرفاء کی نگاہ میں جان سے زیادہ عزیز معلوم ہو تو پھر اُس کی حفاظت میں اتنا ہی زیادہ انہماک بھی صرف کرنا ہوگا اور اس صورت میں پردہ کو ہرگز قابل اعتراض نہیں سمجھا جا سکتا

ظاہر ہے کہ کسی امر کے ثبوت کے لیے دو۲ چیزوں کی ضرورت ہے۔ ایک مقتضی کا موجود ہونا دوسرے موانع کا مفقود ہونا۔

پردہ کے متعلق مقتضی کے ثبوت کے لیے اتنا بیان کافی ہے۔ رہ گیا موانع کا برطرف ہونا اُس کے لیے ضرورت ہے کہ

پردہ کے خلاف جو پہلو پیش کیے جاتے ہیں اُن کا ایک ایک کرکے تذکرہ کیا جائے اور اُنھیں رد کیا جائے۔ جب وہ رد ہو جائیں گے تو پھر پردہ کے ضروری ہونے میں کسی شک و شبہہ کی گنجائش نہ رہے گی۔

پہلا اعتراض طبیعت انسانی کا خاصّہ ہے کہ جس چیز سے روکا جائے اُسی کی تمنا ہوتی ہے اس مضمون کی عربی کی مثل مشہور ہے الانسان حریص علیٰ ما منع اس لحاظ سے پردہ کا نظام خود ہوس کے بڑھانے کا ذریعہ ہے اور اگر پردہ اُٹھا یا جائے تو ہوس کا بھی خاتمہ ہو جائے گا۔

جواب پردہ یعنی نقاب یا برقع اُٹھانے کے بعد بھی صنفی معاشرت میں کسی نقطہ پر تو ہمارے مشرق کے آزاد خیال مصلحین بھی پابندی عائد کرنا ضروری سمجھتے ہیں یعنی بالکل مطلق اور بلا قید اختلاط جنسی کی آزادی کیلئے وہ بھی حامی نہیں ہیں اور جبکہ یہ اصول ہی کہ جس چیز سے روکا جائے اُسی کی ہوس ہوتی ہے تو موجودہ حالت میں جبکہ پردہ کی پابندی ہے اور چہرہ پر نقاب ہے تو ابتدائی مرکز تمنا صرف چہرہ کا دیدار ہو جاتا ہے۔ اور بہت سے خوش قسمت وہ ہوں گے جو رخ کی ایک جھلکی ہی پر اپنے کو کامیاب سمجھ لیتے ہیں لیکن اگر چہرہ کی نقاب کو اُٹھا دیا جائے اور برقع کی پابندی نہ رہے لیکن اُس کے بعد کی منزلوں میں معاشرتی پابندیاں

قائم رہیں گی تو اس صورت میں تیرِ ہوس کا پہلا نشانہ وہی ہوگا جس سے دامنِ عفت بالکل تار تار نظر آئے۔ یوں سمجھیے یہ چہرہ کی نقاب ایک قلعہ ہے جس سے ہوس کے تیر ٹکرا ٹکرا کر گر جاتے ہیں اور نگاہ ہوس کو آگے بڑھنے کا حوصلہ ہی نہیں ہو سکتا لیکن اگر نقاب نہ ہو اور اس کے بعد ہوس کی ناوک افگنی جاری رہے تو پھر براہ راست خطرہ کا مرکز وہی سرمایہ آبرو ہوگا جس کا تحفظ شرفاء جان سے بھی مقدم سمجھتے ہیں۔

دوسرا اعتراض اگر پردہ اٹھنے کی صورت میں وہ خطرات صحیح سمجھے جائیں جن کی طرف اشارہ کیا گیا ہے تو چاہیے کہ یورپ میں جہاں پردہ نہیں ہے اس قسم کے شرمناک واقعات بکثرت واقع ہوں حالانکہ صورت حال اس کے بالکل برعکس ہے۔ ہندوستان میں ایسے شرمناک واقعات آئے دن ہوا کرتے ہیں اور اخباروں تک میں شائع ہو جاتے ہیں جبکہ یورپ کے اخبارات ایسے اطلاعات سے خالی ہوتے ہیں اس کے معنی یہ ہیں کہ پردہ نہ ہونے کی صورت میں اخلاقی نقصانات کا تصور ایک توہم ہی توہم ہے اس میں حقیقت نہیں ہے۔

جواب ہندوستان میں ایسے واقعات ہمارے گوش زد اس لیے زیادہ ہوتے ہیں کہ وہ ایک غیر معمولی اور شاذ و نادر حیثیت رکھتے ہیں۔ اس لیے جب کہیں کوئی ایسی صورت پیدا ہوتی ہے

تو اُس کا چرچا بھی ہوتا ہے اور اخباروں میں بھی اشاعت ہوتی ہے لیکن یورپ میں اس طرح کے واقعات اتنے عام اور کثیرالوقوع ہو گئے ہیں کہ اُن کے بیان کرنے اور سننے میں کوئی دلچسپی باقی نہیں رہی ہے۔ اس لیے نہ اُن کا چرچا ہوتا ہے اور نہ اخباروں میں اُن کا تذکرہ ہوتا ہے۔ اخباروں میں تو وہی چیز شائع ہوتی ہے جس میں کوئی ندرت ہو۔

ایک مرتبہ ایک اخبار میں میں نے "اخبار کے لائق خبر" کا معیار پڑھا ہے۔ اُس میں لکھا تھا کہ اگر کوئی کتا کسی آدمی کو کاٹ کھائے تو یہ کوئی ایسی خبر نہیں جو اخبار میں شائع ہو لیکن اگر کوئی آدمی کسی کتے کو کاٹ لے تو یہ اخبار میں شائع ہونے کی خبر ہو گی۔ بس اب سمجھ لیجیے کہ ہندوستان میں اس طرح کی بداخلاقی کے شرمناک واقعات ابھی تک ایسے ہیں جیسے آدمی کتے کو کاٹے اس لیے اُن کی اشاعت ہوتی ہے۔ اور یورپ میں اس طرح کے واقعات کی حیثیت وہی ہے جیسے کتا آدمی کو کاٹے اس لیے اُن کی اشاعت کی ضرورت نہیں ہوتی۔

پھر بھی مردم شماریوں سے ناجائز پیدائشوں کے اعداد سے اُس ہولناک تمدنی بربادی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے جو یورپ میں بے پردگی کے نتائج میں ہو چکی ہے اور ہونے والی ہے۔ جس سے ہندوستان خدا کے فضل سے صرف پردہ کی بدولت

محفوظ ہے - اللہ اس کو یوں ہی محفوظ رکھے -

تیسرا اعتراض اگر پردہ اُن خطرات سے تحفظ کا ذریعہ ہوتا جن کی طرف اشارہ کیا گیا ہے تو اُن گھرانوں میں جہاں پردہ کی پابندی ہے اس قسم کے شرمناک واقعے کبھی ظہور میں نہ آتے حالانکہ مشاہدہ اس کے خلاف ہے - تو پھر پردہ سے کیا فائدہ ہے

جواب ہمارے اُن گھرانوں میں جہاں پردہ کا رواج ہے اکثر و بیشتر پردہ کی پابندی اُن اصول کے ساتھ ہوتی نہیں جو شرع نے مقرر کیے ہیں - شرع نے محرم اور نامحرم کے حدود جو مقرر کیے تھے اُن کے برخلاف رواجی طور پر محرم و نامحرم خود مقرر کیے گئے ہیں - مثلاً شریعت نے بھائی کو محرم قرار دیا تھا - بھائی کے معنی تھے اپنے باپ اور ماں کی اولاد - سگے چچا کا بیٹا اور سگے ماموں کا بیٹا تک شرعاً ابن العم اور ابن الخال ہے - بھائی نہیں ہے مگر ہمارے ہندوستانی تمدن نے بھائی کے دائرہ کو بہت وسیع کر دیا - یوں ہی ماموں اپنے حقیقی نانا اور نانی کی اولاد - چچا اپنے حقیقی دادا اور دادی کی اولاد کو کہتے ہیں -

یہاں رشتے کے ماموں اور رشتہ کے چچا کو لیکے مفہوم میں بڑی وسعت پیدا کر دی گئی - کسی سے پوچھیے یہ آپ کے کون ہیں پہلی مرتبہ جواب مل جائیگا - بھائی یا چچا یا ماموں یا دادا یا نانا - اب اگر دوسرا ہے کہ آپ ذرا تحقیق طلب انداز سے پوچھ لیجے آپ کے

بھائی ہیں؟ یا آپ کے چچا ہیں؟ یا آپ کے نانا ہیں؟ وغیرہ۔ تو اکثر
یہ جواب ملیگا کہ جی ہاں بھائی ہوتے ہیں۔ چچا ہوتے ہیں۔ یا
نانا ہوتے ہیں۔ اس ہوتے ہیں کا مطلب کیا ہوتا ہے؟ یعنی
بھائی ہیں نہیں۔ چچا ہیں نہیں۔ ماموں ہیں نہیں۔ بلکہ کسی
دور کے ذریعہ سے رشتے لگا کر بھائی، چچا، ماموں بنائے گئے
ہیں۔ بھائی ہیں یعنی دادا کے چچا زاد بھائی کے مثلاً پوتے
ہیں۔ ماموں ہیں یعنی والدہ کے ماموں زاد بھائی ہیں۔ چچا
ہیں یعنی والد کے چچا زاد بھائی ہیں۔ دادا ہیں یعنی دادا کے
خالہ زاد بھائی ہیں۔ نانا ہیں یعنی نانا کے پھوپھی زاد بھائی ہیں۔

یہ تو قریب کے رشتوں کا درجہ ہے اور ان کے آگے بغیر
اضافتوں کی کثرت سے حدود میں آگے بھی وسعت ہوتی ہے۔ پھر
یہ تو نسبی رشتے ہیں۔ اس کے علاوہ ایک عورت کے لیے بہنوئی
جیٹھ۔ دیور۔ سب ہی محرم بنا دیے گئے ہیں۔ بڑا بہنوئی اور
جیٹھ بڑے بھائی اور زیادہ سن کے تفاوت میں باپ کے برابر
اور چھوٹا بہنوئی اور دیور چھوٹے بھائی یا بیٹے کے برابر سمجھا
جاتا ہے۔

ان رشتوں کے ساتھ پردہ کو غیریت کا مظاہرہ قرار
دے کر بُرا سمجھا جاتا ہے۔ پھر اکثر رؤسا اور خوانین کے یہاں
تو گھر کا بہشتی۔ گھر کا خادم گھر کی پرانی ماما کا گھر میں پلا ہوا

بچہ جو اب بڑا بھی ہو گیا ہو۔ انا کا ذکر ہی کیا بیٹا مخصوص شرائط کیساتھ شرعاً برادر رضاعی قرار پاتا ہے لیکن کھلائی کا لڑکا بھی بچپن میں پڑھانے والا مولوی، میاں جی اور ماسٹر یہ سب ہی پردہ سے مستثنیٰ ہیں۔ غرض یہ کہ محرم اور نامحرم کی تفریق میں شرع کے اختیارات کو اپنے ہاتھوں میں لے لیا ہے اور پھر سمجھتے ہیں کہ ہم پردہ ایسی شریعت کے پابند ہیں حالانکہ حقیقت میں وہ پردہ کو بحیثیت فریضہ شرعی کے اُن حدود کے ساتھ انجام ہی نہیں دیتے بلکہ رواجی طور پر اپنے رسم و رواج کے اصول و قواعد کے ساتھ اس پر عملدرآمد رکھتے ہیں

شرفاء کے گھرانوں میں کبھی کدھار جو اس قسم کے واقعات ہوئے یا خدانخواستہ ہوں جن کا حوالہ دیا گیا ہے وہ اکثر ایسے ہی اشخاص کی بدولت جنھیں شریعت نے محرم قرار نہیں دیا ہے۔ مگر رسم و رواج میں انھیں پردہ سے مستثنیٰ کر دیا گیا اور اس لیے وہ خراب نتائج پیدا ہوئے۔ اور اسی سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ جب اس محدود دائرہ میں بے پردگی ایسے خراب نتائج پیدا کر سکتی ہے تو لامحدود درجہ تک جو بے پردگی ہوگی وہ کیسے خراب نتائج پیدا کر سکے گی۔

چوتھا اعتراض پردہ نوع انسانی کے نصف حصہ کو بے کار مسلسل بنا دیتا ہے اور کشمکش حیات میں حصہ

لینے سے مانع ہے۔

جواب کا زائد ہونا ہر شے کا اپنے اعتبار سے ہوتا ہے۔ اگر یہ مان لیا جائے کہ زندگی کے کام وہی ہیں جنہیں مرد انجام دیتا ہے تو چونکہ عورت پردہ کی وجہ سے اُن کاموں کو انجام نہیں دیتی تو یہ سمجھا جا سکے گا کہ وہ بیکار ہو گئی مگر یاد رکھنا چاہیے کہ نظام حیات کا کارخانہ بہت وسیع ہے جس کے کچھ کل پرزے اوپر کام کرتے ہیں اور کچھ اندر کام کرتے ہیں اور سب کی شرکت سے اس نظام حیات کی تکمیل ہوتی ہے۔

عورت اور مرد میں فطری حیثیت سے تفرقہ ہے اور بہت سے کام تعمیر نوع کے عورت کے ذمہ ایسے ہیں جن میں مرد اس کے ساتھ کوئی حصہ نہیں لے سکتا۔ تو کیوں نہ مرد کے ذمہ بھی کچھ فرائض ایسے ہوں جن میں عورت حصہ نہ لے سکے۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ عورت بے کار ہو گئی بلکہ تقسیم عمل کے ساتھ ہر ایک صنف اپنے شعبہ میں باکار رہتی ہے۔

اسلام جو نبض شناس فطرت بشری ہے، اُس نے عورت اور مرد کی فطرت کے تفرقہ کے ساتھ ساتھ تقسیم عمل سے کام لیا ہے اس تقسیم عمل کو پیغمبر اسلام کی گود کے پلے ہوئے مرد اور عورت حضرت علی مرتضیٰ اور فاطمہ زہرا علیہما السلام نے عملی طور پر دکھلا دیا۔ باغوں میں جانا، کنویں سے پانی کھینچنا، آب کشی کرنا حضرت

علی بن ابیطالب کا کام۔ اور گھر میں سوت کاتنا چرخہ چلانا چکی پیسنا اور بچوں کی تربیت کرنا حضرت فاطمہ زہراؑ کا کام۔ ظاہر ہے کہ دونوں خردیں کشمکش حیات میں مصروف عمل ہیں مگر گھر کے باہر کے کام مرد سے متعلق ہیں اور گھر کے اندر کے کام عورت سے متعلق ہیں۔ انتظام خانہ داری عورت سے متعلق اور تحصیل معاش کا بار مرد کے سر۔

دونوں صنفوں کے خصوصیات طبیعت جو قدرت کی طرف سے ودیعت ہیں وہ بھی اسی کے متقاضی ہیں۔ انتظام و تدبر کا تعلق قوت خیالی کے ساتھ ہے جو نفسیاتی طور پر عورت میں غالب ہیں۔ اور تحصیل معاش کا تعلق قوت جسمانی اور جوش عمل کے ساتھ ہے جو مرد میں فراواں ہے۔

اسی طرح طاقت کا غلبہ اور تحفظ اقتدار کی صلاحیت مرد میں زیادہ ہے اس لیے اسلام نے مرد کو عورت کا محافظ قرار دیا اور اعلان کیا کہ الرجال قوامون علی النسآء۔

آج کا مرد جو کشمکش حیات کے میدان میں عورت کو اپنے دوش بدوش بلانا چاہتا ہے یہ حقیقۃً اپنی پست ہمتی کا مظاہرہ ہے۔ جب خود اکیلا اس وقت کے معاشی مشکلات میں ناکارہ ثابت ہو رہا ہے تو عورت کو مدد کے لیے بلاتا ہے۔ حالانکہ ابھی جبکہ میدان مقابلہ میں صرف مرد ہی ہیں تب تو بہت سے مردوں

کو قدم ٹکانے کی جگہ نہیں ملتی اور اگر کہیں اس میدان میں عورتیں بھی آگئیں تب کیا عالم ہو گا اور مرد کس کام کے رہیں گے اور پھر جو عورت کے فرائض خاص اور خانہ داری کی ذمہ داریاں ہیں اُن میں بھی کمی ہوگی نتیجہ یہ ہوگا کہ عورت اپنی نسوانیت کے شعبہ میں بے کار اور مرد اپنے مردانہ جدوجہد کے شعبہ میں بے کار۔ نہ گھروں کے بجائے محکموں اور کارخانوں میں اور مرد محکموں اور کارخانوں کے بجائے گھروں اور سینماؤں میں۔

فرصت کے اوقات میں دونوں ہی بجائے زینت کا شانہ ہونے کے زیب تماشا گاہ کبھی محو تماشا اور کبھی خود تماشا۔

گھربار نوکروں پر اور بچے بھی نوکروں پر۔ یہ ہے سچی تصویر اُس موجودہ تمدن کی جس میں گھر برباد ہوتے ہیں۔ اور سیرگاہیں آباد ہوتی ہیں۔

نہ مرد ہی کام کے رہتے ہیں اور نہ عورتیں ہی حقیقت میں کام کی رہتی ہیں۔ اس سے ہزار درجہ بہتر ہمارا پردہ کا نظام ہے جس میں بقول مخالف آدھی صنف انانوں کی بیکار رہتی ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ دونوں اپنے مشغلوں میں باکار ہیں۔ اور مساوی طور پر تقسیم عمل کے ساتھ کشمکش حیات میں ایک دوسرے کے مددگار ہیں۔

پانچواں اعتراض پردہ عورتوں کو تعلیم و ترقی کے حصول سے مانع ہے۔

جواب تعلیم کے معنی مطلق حصول علم کے لیے جائیں اور علم سے مراد فائدہ رساں علم مراد لیا جائے تو یہ بالکل غلط ہے کہ پردہ عورتوں کو ایسا علم حاصل کرنے سے مانع ہے۔ ہاں اگر تعلیم سے مراد صرف کالج اور یونیورسٹی کے علوم متعارفہ اور اُن کی ڈگریاں ہیں تو پردہ کی پابندی کے ساتھ اس حصول میں دشواری سمجھی جاسکتی ہے۔ مگر طبقہ نسواں کے لیے ان علوم کی افادیت بڑی حد تک قابل بحث ہے۔

یہ بھی غلط ہے کہ پردہ حصول ترقی میں مانع ہے ہر طبقہ اور ہر صنف کی ترقی یہ ہے کہ اپنے خصوصیات کے اندر ترقی کرے۔

مثال کے طور پر ایک بڑھئی کی ترقی یہ نہیں ہے کہ وہ شاعری اچھی کرنے لگے۔ ایک شاعر کی ترقی یہ نہیں ہے کہ وہ مریضوں کا علاج اچھا کرنے لگے۔ ایک ڈاکٹر کی ترقی یہ نہیں ہے کہ وہ کپڑے اچھے سینے لگے۔ ایک درزی کی ترقی یہ نہیں ہے کہ وہ منطقی مسائل پر بحث اچھی کرنے لگے۔ خلاصہ یہ ہے کہ ہر شعبہ کے ماہر کی ترقی یہ نہیں ہے کہ وہ کسی دوسرے شعبہ کو جاننے لگے۔ بلکہ اُس کی ترقی یہ ہے کہ وہ اپنے شعبہ میں زیادہ ماہر ہو جائے۔ یوں ہی مرد اور عورت جو دو صنفیں ہیں ان میں جس طرح مرد کی یہ ترقی نہیں ہے کہ وہ

زنانہ اوصاف بہتر طریقہ پر اختیار کر سکتا ہو اُسی طرح عورت کی ترقی یہ نہیں ہے کہ وہ ہر فن جس میں مرد اس وقت مہارت رکھتے ہیں اس کو حاصل کر کے خود اُس میں مہارت کی دعویدار ہو جائے۔ بلکہ مرد کی ترقی یہ ہے کہ وہ بہتر مرد بنے اور عورت کی ترقی یہ ہے کہ وہ بہتر عورت بنے ۔ موجودہ تعلیم و ترقی میں عورتوں کے لیے سب سے بڑی خرابی یہی ہے کہ وہ عورت کو جغرافیہ ۔ سائنس ۔ منطق ۔ فلسفہ ۔ قانون ۔ تاریخ ۔ ادب ۔ علم الحیوانات ۔ علم النباتات ۔ علم النفس ۔ فن طبعیات ۔ فن اقتصادیات ۔ فن سیاسیات ۔ سب کچھ سکھاتی ہی مگر اچھی عورت بننا ہی نہیں سکھاتی اور یہی اس کے لیے سب سے زیادہ ضروری چیز ہی ۔ اور اس کی تعلیم کے لیے پردہ مانع نہیں بلکہ معاون ہے۔

پھر اس تعلیم کے حصول کے ساتھ دوسرے فنون بھی سکھانا ہیں تو پردہ کی پابندی کے ساتھ اُن کے سکھانے کا انتظام کیا جا سکتا ہے۔ باپ اپنی لڑکی کو بھائی اپنی بہن کو تعلیم دے سکتا ہی بلکہ سیدۂ عالم نے دنیا کو یہ سبق دیا ہے کہ ضرورت ہو تو بیٹے سے ماں اپنے معلومات کے حصول میں مدد لے سکتی ہے ۔

حالانکہ سیدۂ عالم قدرت کی جانب سے جوہر علم سے مالامال کی گئی تھیں ۔ مگر آج چونکہ سیدۂ عالمین کے علمی کمال یا حضرت زینب کبریٰ سلام اللہ علیہا کے کمال علم و فضل سے عورتوں کی تعلیم پر غلط طور سے استدلال کیا جاتا ہی اس لیے یہ بھی تو دیکھنے کی ضرورت

ہی کہ طریقہ اس کا کیا بتایا گیا ہے۔

کسی درسگاہ کالج اور معاذ اللہ سیرگاہ کا کیا تذکرہ ہو سکتا ہی حضرت سیدۂ عالم تو کبھی اپنے والد بزرگوار کے موعظہ میں آکر نہیں شریک ہوئیں۔ حالانکہ بیت الشرف مسجد رسولؐ سے متصل تھا اور صحن مسجد میں دروازہ تھا۔ کیا آپ کو اپنے مقدس باپ کے موعظہ سے استفادہ کا اشتیاق نہ تھا۔ ضرور تھا اور اس کا نتیجہ ہے کہ جب بڑا شاہزادہ حسن مجتبیٰ مسجد سے واپس ہوتا تھا تو سیدۂ عالم پوچھتی تھیں کہ پدر بزرگوار نے آج موعظہ میں کیا بیان کیا اور حسن بیان کردیا کرتے تھے۔

اس طرح سیدۂ عالم نے بتا دیا کہ اگر ضرورت ہو تو اپنے بیٹے سے مدد لے لو مگر گھر سے قدم باہر نہ نکالو۔

حضرت زینب سلام اللہ علیہا کا بھی جو علمی کمال تھا وہ اپنی مادر گرامی کی آغوش تعلیم اور بھائیوں کی معصومانہ تربیت کے سوا کسی انسان کا رہین منت نہ تھا۔ خالق کا فیض فطرت اس کے علاوہ ہے۔

نسوانی ترقی کے معیار کو سیدۂ عالم اور ان مخدرات نے دنیا کے سامنے واضح کر دیا ہے۔ اور وہی عقلی نقطۂ نظر سے بھی ترقی کا حقیقی معیار ہے۔

مرد اور عورت جبکہ مزاج طبعی میں الگ الگ ہیں تو مرد

جن فنون میں پایۂ ترقی تک پہونچا ہے اُن فنون کے اعتبار سے عورت کی ترقی کو جانچنا فطرتِ نسوانی پر ایک ظلم اور اُس کی توہین ہے اور اس اعتبار سے اگر دیکھا جائے گا تو عورت کبھی مرد کے حدود تک پہونچتے نظر ہی نہیں آئیگی خواہ پردہ ہو اور خواہ پردہ نہ ہو۔ مشاہدہ اس کا قطعی گواہ ہے۔

ممکن ہے میری یہ صاف بیانی محترم خواتین کے لیے وقتی طور پر ناگوار ہو مگر میرے نزدیک اس میں اُن کی کوئی توہین نہیں ہے بلکہ اُن کے جوہرِ فطری کی خصوصیت کا اظہار ہے جس میں مرد اُن کے ساتھ حصہ نہیں رکھتا۔

اور یہ فطرت کا ایک عدل ہے کہ اُس نے ہر ایک کو مخصوص جوہرِ ذاتی کے اعتبار سے فرائض سپرد کیے ہیں۔

وہ صاف بیانی جس میں تلخی محسوس ہونے کا اندیشہ ہو رہا یہ ہے کہ ہندوستان کو جانے دیجیے جس میں عورتیں بیچاری بقول تمھارے زندہ درگور یعنی پردہ میں مقید ہیں۔ ایران اور عراق میں بھی کہہ دیجیے کہ عورتیں چار دیواری میں قید تھیں پھر بھی کچھ عرصہ قبل تک برقع و نقاب کے شکنجے میں اسیر رہی ہیں مگر یورپ میں تو صدیوں سے پردہ اُٹھ چکا ہے اس کے باد جود اعداد و شمار ہی تجھے بتا دے کہ بہترین عالم میں عورتیں کتنی ہوئیں یا اس وقت کتنی ہیں۔ مختلف علوم و فنون کے ماہرین میں عورتیں کتنی ہوئیں اور اس وقت

کتنی موجود ہیں۔

یہ ہزاروں ایجادیں جو اس وقت رائج ہیں اُن کے موجدین میں عورتیں کتنی ہیں؟

جو ہزاروں علمی انکشافات ہوئے اور ہو رہے ہیں ان انکشافات کرنے والوں میں عورتوں کی کتنی تعداد ہے؟

اس وقت اور اس کے پہلے کے فوجی افسروں اور ماہرین حرب میں عورتیں کتنی ہیں؟

بڑے بڑے عدالتی محکموں کے افسروں میں اور ماہرین قانون میں عورتوں کا تناسب کیا ہے؟

مختلف علوم و فنون کے مصنفین میں عورتوں کا تناسب کیا ہے؟

اگر آپ کو اتنی صدیوں کی بے پردگی اور تعلیمی آزادی کے بعد ان تمام شعبوں میں عورتوں کا درجہ (۰) کے برابر نظر آئے اور آپ یہ دیکھیں کہ اس بے پردگی کے ماحول میں عورت نے ان علوم و فنون میں مرد کے مقابلہ میں ذرہ بھر بھی قابل لحاظ ترقی نہیں کی ہے۔ اس کے برخلاف سینما کے ایکٹریسوں میں بہت سی عورتوں کے نام نظر آئیں گے۔ حسن کے مقابلہ میں ملکۂ حسن بننے کی کوشش کرنے والی یا یہ لقب حاصل کرنے والیوں کی فہرست میں بہت نام نظر آئیں گے۔ اسپتالوں اور شفاخانوں

میں نرسنگ امر ہم پٹی اور تیمارداری کرنے والیوں ا ہیں بہت سی فردیں نظر آئینگی اور اگر علوم و فنون کے شعبوں میں نام نمائی دے تو افسانہ نگار، اخبار نویسی ، اور شاعری کے ایسے لطیف ادبی شعبوں میں وہ بھی مردوں کے برابر نہیں تو بہ سچائی کے ساتھ فطرت کی بارگاہ میں سر خم کیجئے اس تفریق کو مانتے ہوئے جو اُس نے مرد و عورت کے درمیان رکھ دی ہے اور پیشانی جھکا دیجئے پیغمبر فطرت کے اس ارشاد کے سامنے کہ

المرأۃ ریحانۃ ولیست بقهرمانۃ

"عورت پھولوں کا گلدستہ ہے، طاقت و قوت کا مجسمہ نہیں ہے"۔

یہ ارشاد جو دونوں کے اختلاف فطرت کے ساتھ اختلاف فرائض کا پتہ دے رہا ہے۔ جس اختلاف پر تقسیم عمل کے قانون کی بنیاد قائم ہے۔ جس قانون سے بغاوت لفظی طور پر صدائے بے ہنگام کے طور پر زبان سے ہوتی رہے مگر علمی دنیا میں نہ کامیاب ہوئی ہے نہ کبھی ہو سکتی ہے۔

چھٹا اعتراض اچھے بچے اچھی ماؤں ہی کی گود میں پل کر بڑھ سکتے ہیں۔ جب مائیں جاہل، توہم پرست اور کوتاہ نظر ہونگی تو بچوں میں علمی اور نظری بلند پروازی کا پیدا ہونا غیر ممکن ہے۔

جواب اصل اصول مسلم ہے۔ بیشک اچھے بچے اچھی ماں ہی کی گود میں پیدا ہو سکتے ہیں مگر شرط یہی ہے کہ اچھی ماں ہو اور بچہ کو اپنی گود میں پناہ دینے کا وقت بھی رکھتی ہو۔

موجودہ تعلیم و تمدن میں تو خرابی یہی ہے کہ وہ عورت کو (بقدرِ صلاحیت) جغرافیہ داں، سائنس داں، تاریخ داں وغیرہ وغیرہ سب کچھ بنا سکتی ہے مگر اچھی ماں نہیں بنا سکتی اور نہ اُسے بچوں کی تربیت کی طرف متوجہ رکھ سکتی ہے۔ بچہ کی جائے پناہ ملازم یا ملازمہ کی گود اور اُس کی نگرانی رہ جاتی ہے اور ماں بس کسی کسی وقت تفریحاً بچہ کے ساتھ اظہار محبت کرے تو کر دے۔ عملی طور پر اسکی تربیت سے کوئی تعلق نہیں رکھتی ہے۔

اس کا نتیجہ جو مشاہدہ کے ساتھ تعلق رکھتا ہے ناموں کی تصریح کے ساتھ پیش کرنا ممکن ہے۔ بچہ "آبگینوں" کو ٹھیس لگنے کا سبب بن جائے۔ مگر یہ واقعہ ہے کہ ہمارے ملک، ہماری قوم کے مایۂ ناز فرزند جن میں سے بعض ہوائے تجدد میں پروانہ کرتے ہوئے خود اس وقت پردہ کی مخالفت میں پیش پیش ہیں اور اُسی طرح کے دلائل پیش کر رہے ہیں جن پر تبصرہ ان سطور میں مدنظر ہے۔ ہاں ہاں بیشک یہ ہماری قوم کے سرمایۂ فخر فرزند جو اپنے دماغی اور عملی کارناموں کی بدولت آسمانِ تمدن پر سورج بنکر چمکے ہیں خود پردہ دار اور قدیم تمدن کی پابند ماؤں کی گود

ہیں بلکہ پروان چڑھے ہیں جبکہ ان کی اولاد جو ہرگز اپنے بزرگوں کے درجہ پر نہیں پہونچ سکی بے پردہ ماؤں کا نتیجہ پرورش ہے ہمارے یہ "مفصلین" اگر خود اپنی آغوش تربیت کے نتیجہ پر جو پردہ کی پابندی کے ساتھ تھی اور اپنی اولاد کے آغوش تربیت کے نتیجہ پر جو پردہ سے آزاد تھی ایک عبرت پذیر توجہ کے ساتھ غور فرمائیں تو پردہ کے خلاف اپنے استدلال کی کمزوری کا خود انھیں اندازہ ہو سکتا ہے۔

ساتواں اعتراض پردہ سے عورت کی توہین وتذلیل ہوتی ہے اور یہ بڑی ناانصافی ہے کہ مردوں کو تو پردہ کا حکم نہ دیا جائے اور عورتوں کو پردہ میں قید رکھا جائے۔

جواب جنس عزیز کی حفاظت ہوتی ہے اور وہ پردہ میں رکھی جاتی ہے۔ توہین کا تخیل اس میں نہایت عجیب ہے۔ بلکہ اگر کوئی توہین کا اس میں پہلو ہو سکتا ہے تو مرد کے لیے کیونکہ حفاظت اسی سے کی جاتی ہے جس پر اعتماد واطمینان نہ ہو۔ مثال کے طور پر اپنا ضروری کاغذات یا نقد وجواہر کا کوئی صندوقچہ کھولے ہوئے کچھ دیکھ رہے ہوں، اور کوئی آپ کا سمجھا بوجھا ہوا دوست آجائے تو آپ بدستور صندوقچہ کھلا ہوا چھوڑ کر اس سے گفتگو میں مصروف ہو جائیں گے۔ لیکن نیا کوئی مشکوک آدمی آگیا اور

آپ فوراً صندوقچہ کو مقفل کر دیتے ہیں۔ یہ اُس شخص کو دیکھتے ہی صندوقچہ کو مقفل کر دینا اس شخص کی ایک طرح سبکی کا باعث ہو سکتا ہے جس کے آنے پر حفاظت ضروری سمجھی گئی ہے۔ یوں ہی سمجھ لیجیے کہ فطرت شناس دین اسلام کو عورت کی سلامت روی پر اعتماد و اطمینان تھا کہ تحریک خیانت طبعاً عورت کی جانب سے نہیں ہوا کرتی اس لیے مرد کا حسن اگر بے پردہ رہے تو کوئی نقصان نہیں ہے لیکن مرد کی نیک دلی پر اسلام نے اعتماد و اطمینان نہیں کیا اس لیے عورت کو پردہ میں رکھا گیا تاکہ اُسکی دولت حسن و آبرو دستبرد و غارت گری سے محفوظ رہے۔ اسی لیے عورتوں کا پردہ خود عورتوں کو اُتنا بار نہیں جتنا آج کل کے غیور و خود دار مردوں کو بار ہے۔

کاش عورت نے بطور خود پردہ پر احتجاج کیا ہوتا تو اس میں خلوص اور ذاتی تاثر کا پہلو زیادہ نمایاں ہوتا مگر حقیقت یہ ہے کہ عورتوں کے پردہ پر احتجاج مردوں نے شروع کیا۔ برا نہ مانا جائے تو کیوں کہ یہ احتجاج ایسا ہے جیسے تمام دنیا کے چور اور ڈاکو مجتمعہ طور پر کانفرنس منعقد کریں اور اس پر احتجاج کریں کہ راتوں کو گھروں کے دروازے بند کیوں ہوتے ہیں؟ صندوقوں اور تجوریوں میں قفل کیوں لگائے جاتے ہیں اور بینکوں کی حفاظت میں اتنا اہتمام کیوں ہوتا ہے؟ ایسے احتجاج

کی وقعت معلوم ہے۔

یہ ضرور ہے کہ شاطر مرد اس احتجاج میں عورتوں کے ساتھ ہمدردی کا لب ولہجہ اختیار کرتے ہیں اور اس لیے دھوکے میں آکر بعض عورتیں بھی ان کی آواز میں آواز ملا دیتی ہیں مگر طاقتور فرد یا جماعت کی ہمیشہ اور بالخصوص موجودہ دور میں جو سیاست کا دور ہے ایک ادا یہ بھی ہے کہ وہ کمزور کا ہمدرد بن کر اسے لوٹے۔ آج تو جو بھی طاقت کسی ملک پر حملہ کرتی ہے وہ اس ملک کی بہبودی کے لیے حملہ آور ہوتی ہے اور جو فاتح کسی ملک پر قبضہ کرتا ہے وہ اس ملک والوں کی نابالغی کی بناء پر بحیثیت ولی اس کا سرپرست ہی ہو کر قابض ہوتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ مرد نے عورت کو ہمیشہ کھلونا بنائے رکھا اور اپنی مطلب برآری کے لیے کبھی اس کی قدر و قیمت کا لحاظ نہ کیا۔ یہ صرف مذہب تھا جو کمزوروں کا حقیقی محافظ ہے اور جس نے کمزور سمجھ کر ہی عورت کو مرد کے دست تطاول سے بچانے کے لیے پردہ کے قلعہ میں محفوظ کیا جسے آج کل کا آزادی پسند مرد مذہبی قیود سے آزادی کی عام خواہش سے فائدہ اٹھاتے ہوئے صنف نازک کا ہمدرد بن کر ڈھانا چاہتا ہے اور نسوانی عزت کو صنف طاقتور کی عام غارتگری کی آماجگاہ بنا دینے کی کوشش کر رہا ہے۔

اسلام نے پردہ کا جو حکم دیا ہے وہ اگر کسی توہین پر مبنی ہوتا تو جن عورتوں کی عزت مذہبی طور پر زیادہ کرنا اسلام کا نصب العین تھا اُن کے لیے پردہ میں کمی ہوتی لیکن جبکہ ہم اس کا عکس دیکھتے ہیں یعنی دختر رسولؐ اور ازواج رسولؐ پردہ کی دوسری عورتوں سے بڑھ چڑھ کر پابند بنائی گئی ہیں تو اس سے زاویہ نظر صاف معلوم ہو جاتا ہے اور پتہ چل جاتا ہے کہ پردہ بنظر توہین نہیں بلکہ بنظر عزت ہے اس لیے جس کا جتنا زیادہ وقار ہے اتنا ہی اُس کا پردہ زیادہ ہے۔ خدا ہماری خواتین کو اپنے نادان دوستوں اور دانا دشمنوں دونوں سے محفوظ رکھے۔

آٹھواں اعتراض پردہ صحت کے لیے مضر ہے۔ روشنی اور تازی ہوا پہونچ نہیں سکتی جس کی وجہ سے فیصدی نوے عورتوں کو دق ہو جاتی ہے۔

جواب انسانی نظام زندگی میں منفعت اور مضرت کے پہلو تقریباً ہر چیز میں ہیں ایک کسان دن بھر دھوپ میں ہل جوتتا ہے۔ یقیناً دھوپ میں اتنی اتنی دیر تک کھڑے رہنا صحت کے لیے مفید نہیں ہے بہت مضر ہے مگر اس حفظان صحت کی خاطر یہ حکم لگا دیجیے کہ کاشتکاری نہ کی جائے تو کیا انجام ہوگا ریلوے انجنوں کے ڈرائیور ہر وقت کوئلہ پھانکتے اور دھوئیں سے دوچار رہتے ہیں۔ اس کے مضر صحت ہونے میں کیا شبہہ مگر

یہ فتویٰ نہیں دیا جا سکتا کہ ریلیں چلانا موقوف۔

جن شہروں میں مِل (کارخانے) ہیں وہاں کی آب و ہوا عموماً خراب ہو جاتی ہے۔ یہ ملوں کا دھواں اور اس کے اندر کے ذرات جو شہریوں کے جگر اور پھیپھڑوں تک پہونچتے ہیں بڑے خراب اثرات پیدا کرتے ہیں مگر کوئی نہیں کہتا کہ یہ سب مِل بند کر دیئے جائیں ایسا بھی نہیں کہ ان تمام مضر صحت اثرات کے اندر رہنے والے سب اثر قبول ہی کر لیتے ہوں۔ قدرت کی طرف سے ایک مضر چیز کے اثر کو زائل کرنے کے لیے بچانے کیا کیا مصلح چیزیں ہوا کرتی ہیں جس کی وجہ سے اکثر اشخاص زندہ بھی رہتے ہیں اور نہیں متاثر ہوتے۔ پھر اگر مان بھی لیا جائے کہ پردہ حفظان صحت کے لیے مضر ہے تو اس کی وجہ سے وہ ضرورت نظر انداز نہیں کی جا سکتی جو پردہ کے قیام کی متقاضی ہے۔

بے شک پردہ کے حدود کے اندر جہاں تک ممکن ہو ان مضر اثرات کو دور کرنے کی کوشش بھی کی جائے مثلاً اصحاب دولت اگر خود اپنی پردہ دار کوٹھی کے گرد ایک وسیع احاطہ کو زنانخانہ سے مخصوص کر دیں تو روشنی اور تازہ ہوا سے عورتیں متمتع ہو سکتی ہیں۔ پھر شرعی پردہ کی واجب مقدار کے ساتھ باپ بھائی یا عزیزوں کی نگرانی میں اگر کسی باہر کے اپنے باغ یا کھیتوں میں وہ تفریح بھی کرنا چاہیں تو شریعت

دامن پکڑ کے روکے گی نہیں۔

حالانکہ جس طرح پردہ میں یہ مضرت جسمانی کا پہلو ہے اسی طرح حفظان صحت کا پہلو بھی موجود ہے۔ وہ یہ کہ سڑکوں پر راستوں میں گلیوں میں اور بالخصوص سینماؤں اور تھیٹروں میں جہاں بھیڑ ہوتی ہے کھوے سے کھوا چھلتا ہے اور ہر طرح کے لوگ پاس پاس بیٹھے ہیں نجانے کتنی قسم کے امراض کے مبتلا لوگوں سے مڈبھیڑ ہوتی ہے۔ کتنوں سے بات چیت ہوتی ہے۔ کیسے کیسے اشخاص کے پاس بیٹھنا ہوتا ہے اور مختلف طرح کے جراثیم ہوا میں تنفس اور تکلم کے ذریعہ سے جسم تک پہونچنے کے امکانات ہوتے ہیں اور ان جراثیم کی مضرتوں سے عورتیں پردہ کی پابندی کی وجہ سے زیادہ محفوظ رہ سکتی ہیں۔

اسی کا نتیجہ ہے کہ باوجودیکہ پردہ کے رواج کو چودہ سو برس کے قریب ہوچکے پھر بھی مسلمانوں میں عورتوں کی مردم شماری کا تناسب مردوں سے زیادہ ہی رہا جس کی وجہ سے ایک ایک مرد کو چار عورتوں تک شادی کرنے کی اجازت کا نفاذ رہا۔ اور مشاہدہ سے ثابت ہے کہ بڑی پردہ کی پابند عورتیں بھی اسی اور نوے یا اس سے زیادہ کی عمر تک پہونچتی رہی ہیں۔ جبکہ موجودہ زمانہ میں جو بہ نسبت پہلے کے اوسط کے لحاظ سے بہت سی مسلمان عورتوں میں بھی آزادی پیدا کرچکا ہے عمروں کی مقدار بہ نسبت پہلے

کے گھٹ گئی ہے۔

یہ پردہ کی برکت نہیں بلکہ موجودہ زمانہ کی حفظان صحت
کے اصول سے گھرے ہوئے مگر غیر فطری ماحول اور مصنوعی زندگی
کی برکت ہے جس کی وجہ سے مردوں کی عمر طبعی بھی پہلے کی بہ نسبت
گھٹ گئی۔ پھر عورتوں کی عمر کا گھٹنا پردہ کا نتیجہ کیسے سمجھا جا سکتا ہے
معلوم ہوا کہ پردہ کے خلاف جتنے اعتراضات ہیں وہ سب
بالکل غلط ہیں۔ عقلی حیثیت سے پردہ مستحسن اور شرعی حیثیت
سے لازم ہے اور مسلمان عورت کے لیے مذہبی طور پر اس کی
پابندی بہرحال ضروری ہے۔ والسلام۔

علی نقی النقوی